SEPTEMBER 2008

ماہنامہ

گوجرانوالہ

فلاحِ آدمیّت

Reg: CPL No. 80

ستمبر
2008

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

الله

صداقت

محبّت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پروازِ مسلسل

☆ موجودہ دور کے عظیم صوفی اور ربانی سلسلہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی تعلیم کا علمبردار۔

☆ رُہبانیت اور شرک سے پاک اور قرآن وسنت کے عین مطابق راہ فقر کی تعلیم کا داعی۔

☆ وحدتِ اُمت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا ترجمان۔

☆ فرقہ واریت، غصہ اور نفرت ختم کر کے عالمگیر محبت اپنانے کا نقیب۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

منشورِ دعوت

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغٰفِلِينَ ؕ

الاعراف۔205

ترجمہ

اپنے رب کو اپنے دِل میں عاجزی اور ڈر کے ساتھ، اُونچی آواز نکالے بغیر، صبح وشام یاد کرو۔ اور غافلوں میں سے نہ ہونا۔

ماہنامہ گوجرانوالہ

آدمیت و فلاح

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیادگار خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

بانی سلسلہ

نگران و سرپرست

محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 11 شمارہ 12 ستمبر 2008ء رمضان المبارک 1429ھ

ایڈیٹر وحید احمد

سرکولیشن منیجر میاں علی رضا

قیمت ———— -/20 روپے

سالانہ فنڈ ———— -/200 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

محمد صدیق ڈار توحیدی

مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:055-3862835

Mob: 0300-6493335

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:

وحید احمد

تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ

Ph:055-3881379

Mob:0300-7409533

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-55-4222020

E-mail: info@toheedia.net

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

(فتند مکرر)

انسان ،قرآن اور ماہ رمضان

(تحریر:۔ قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

جب تک انسان کی حقیقت اور اس کی زندگی کا مقصد معلوم نہ ہو دین اسلام کے احکام کی حکمت اور اہمیت اچھی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتی۔قرآن کریم کے مطالعہ سے انسانی زندگی کی جو حقیقت سامنے آتی ہے۔وہ یہ ہے کہ اس کی ابتدا مادی دنیا سے نہیں ہوتی اور نہ ہی موت اس کا انجام ہے۔تمام انسانوں کی ارواح روز ازل ہی وجود میں آ گئی تھیں۔اللہ تعالیٰ کے ارادے کے مطابق اپنی اپنی باری پر اس دنیا میں آ کر جلوہ گر ہوتیں اور مقررہ مدت بسر کرنے کے بعد واپس چلی جاتی ہیں۔قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کا علم عطا فرما کر ملائکہ پر فضیلت عطا فرمائی لیکن ابلیس نے اس کی برتری تسلیم نہ کی اور اسے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔وہ نسل انسانی کا دشمن بن گیا اور اس کو صراط مستقیم سے ہٹانے کیلئے پنی ذریت، لاؤ لشکر اور تمام حربوں سے لیس پوری طرح مصروف عمل ہے۔اللہ نے حضرت آدمؑ اور حضرت حوا کو کچھ عرصہ کیلئے جنت میں رکھا تا کہ ان کی ارواح اپنی منزل سے آشنا ہو جائیں۔اللہ نے انہیں واضح طور پر ایک درخت سے دور رہنے کا حکم فرمایا لیکن ابلیس نے انہیں نافرمانی پر اُکسایا۔ابلیس نے خود بھی اللہ کے واضح حکم کے باوجود سجدہ نہیں کیا تھا اور منطقی دلائل پیش کرنے کی وجہ سے مردود ہو گیا۔اس نے ان دونوں کو بھی مختلف دلائل دینے شروع کئے اور ساتھ ہی قسمیں کھا کر اپنی خیر خواہی کا یقین دلا کر فریب دینے میں کامیاب ہو گیا۔لیکن ابلیس کے برخلاف جو اپنی غلطی پر اکڑ گیا آدم علیہ السلام نے ندامت کا اظہار کیا اور اللہ سے سیکھے ہوئے کلمات کے ذریعے سے مغفرت طلب کی اور اللہ نے انہیں معاف فرما دیا۔اس سے واضح ہو گیا کہ ازلی اور پیدائشی گناہ کا نظریہ درست نہیں ہے۔آدم علیہ السلام کو زمین کی خلافت عطا کرنے کیلئے ہی پیدا کیا گیا تھا۔ اس لئے انسان کو اس مادی دنیا میں کسی جرم کی سزا بھگتنے کیلئے نہیں بلکہ اللہ کی عطا کردہ گونا گوں اہلیتوں کے اظہار اور اپنی شخصیت کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔عالم ارواح ہی میں اللہ تعالیٰ

نے آدم علیہ السلام کی پشت سے قیامت تک آنے والی تمام ارواح کو نکال کر ان سے اپنی ربوبیت کا پختہ عہد لے لیا تا کہ مادی دنیا کی بھول بھلیوں، عالم اسباب کے پردوں، نفس کی سرکشی اور سفلی لذت میں انہماک کی وجہ سے کوئی انسان اس وہم اور گمراہی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ میں بالکل آزاد اور اپنی مرضی کا مالک ہوں۔ نہ کوئی میرا آقا اور رب ہے اور نہ ہی میں کسی کے سامنے اپنے اعمال کیلئے جوابدہ ہوں۔ یا پھر اللہ کو چھوڑ کر اس کی مخلوق میں کسی کو اپنا رب بنا کر ظلم عظیم کا مرتکب ہو جائے۔ قرآن وضاحت کرتا ہے کہ یہ عہد اس لئے لیا گیا ''تا کہ کوئی انسان روز قیامت یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔ اور نہ ہی یہ بہانہ بنا سکے کہ آباؤ اجداد کی گمراہی کی وجہ سے میں حقیقت کو نہ جان سکا''۔ اگر چہ یہ عہد عام انسانوں کو شعوری طور پر ہرگز یاد نہیں لیکن روح کی گہرائیوں میں موجود ہے۔ اور مرنے کے بعد جب مادے کے حجابات اُٹھ جائیں گے تو پھر سب کچھ یاد آ جائے گا۔ حیات ارضی میں انسان کے طرز عمل اور اس کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار اس عہد الست کو تسلیم کر لینے یا اس سے انکار کر دینے پر ہے۔ اللہ کی بے پایاں رحمت نے اس عہد پر ہی اکتفا نہ فرمایا بلکہ آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجنے سے پہلے فرما دیا کہ ''میری طرف سے تمہیں ہدایت اور راہنمائی آتی رہے گی۔ جو اس پر چلیں گے نہ ان کو کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے اور جو لوگ میری آیات کو نہیں مانیں گے اور جھٹلائیں گے تو وہ لوگ آگ کے عذاب کے مستحق ہوں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے''۔ (البقرہ۔39,38)

اس مادی زندگی کی تربیت گاہ میں ہر چیز انسان کی سہولت اور خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اولادِ آدم کا فرض منصبی اور خلافت ارضی کا یہ تقاضا ہے کہ ان تمام چیزوں کو زیر نگیں کر کے اپنی اہلیت کو ثابت کر دے۔ اس جدوجہد ہی میں اس کی روح کی ترقی اور شخصیت کی تکمیل کا راز بھی پوشیدہ ہے۔ اسلام مادی دنیا سے بیزاری اور رہبانیت کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اسے تسخیر کر کے آگے ہی آگے بڑھنے اور اللہ کو اپنی منزل بنانے کی ترغیب دیتا ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

کمال ترک نہیں آب و گل سے مہجوری
کمال ترک ہے تسخیر خاکی و نوری

لیکن جو انسان متاع دنیا کو سب کچھ سمجھ کر اس تربیت گاہ ہی سے دل لگا لے اور اللہ کے رسولوں کی یاددہانی کے باوجود بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہ لائے وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہوجائے گا۔ اب اس کی نگاہوں سے نہ صرف زندگی کا مقصد اوجھل ہو جائے گا بلکہ اپنی ذات کی حقیقت سے بھی بیگانہ ہو جائے گا۔ ایسا انسان سفلی جذبات کی تسکین اور مادی لذات کے حصول میں غرق ہوکر حیوانوں کی سطح پر گر جاتا ہے۔ حالانکہ انسان کی فلاح اس امر میں ہے کہ دنیا کی نعمتوں سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے بھی اس کی محبت میں مبتلا نہ ہو کیونکہ ساری خرابی دنیوی زندگی کو اُخروی زندگی پر ترجیح دینے میں ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا بھی فرمان ہے **حب الدنیا راس الخطیته** ''یعنی دنیا کی محبت ہی ساری خرابیوں کی جڑ ہے'' سب سے زیادہ محبت انسان کو اپنے اللہ سے کرنی چاہیے۔ جو اس کا معبود اور محبوب ہے۔ سورۃ البقرہ آیت 165 میں ارشاد ہوا کہ ''جو لوگ ایمان والے ہیں وہ تو اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں''۔

صرف اس طرز فکر ہی سے انسان ماسواء اللہ کے خوف سے نجات پا کر حقیقی آزادی اور اشرف المخلوقات کے مقام پر فائز ہوسکتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا:۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اگر انسان اس حقیقت کو تسلیم کر لے کہ میرا مالک، آقا اور رب اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے موت وحیات اور زمین کی ساری نعمتیں میری تربیت اور آزمائش کیلئے تخلیق فرمائی ہیں۔ مجھے اللہ کے پاس واپس لوٹنا ہے۔ جہاں مادی دنیا میں میری کارکردگی کی مناسبت سے مجھے جزا یا سزا ملے گی۔ تو وہ مومن یعنی حقیقت کو مان لینے والا کہلوائے گا۔ اب اسے اپنی منزل کی فکر دامنگیر ہوجائے گی۔ کہ کس طرح بھرپور دنیوی زندگی بسر کرتے ہوئے اور اپنی تخلیقی اہلیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دنیا کے منفی اثرات سے بچ کر اللہ کے قرب کی منزل کی طرف رواں دواں رہ سکے۔ اس جذبہ کو تقویٰ کا نام دیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کے معنی خوف ڈر اور پرہیزگاری کے بھی ہیں لیکن ان کے ساتھ ساتھ اللہ کی محبت کی کشش کے معنی بھی اس میں پوشیدہ ہیں۔ آپ آسانی کی خاطر تقویٰ

کو ''فکرِمنزل'' کہہ لیں۔ یہ فکر جس قدر قوی ہوگی اتنا ہی ایک مومن ان خواہشات، لذات اور اعمال سے بچنے کی کوشش کریگا جو اسے اللہ کی یاد سے غافل کردیں وہ اس جدوجہد میں لگ جائے گا کہ زندگی اللہ کی منشاء کے مطابق گذارے تاکہ اس کے قرب اور رضا کا مقام حاصل کر سکے۔

اس طرح بنی نوع انسان دو بنیادی گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی الوہیت، رسولوں کی رسالت اور یوم آخرت کا انکار کرنے والے کفار کی ملت اور ان حقائق کو مان کر اللہ کی حاکمیت کے سامنے سرِتسلیم خم کرنے والے مسلمانوں کی ملت۔ اللہ کے نظام کے تحت کفار کی حمایت کرنے، انہیں اندھیروں کی طرف لیجانے، ان کے برے اعمال کو اپنے فریب سے خوشنما بنا کر دکھانے اور عذاب دوزخ کی طرف لے جانے والے شیاطین کی فوجیں موجود ہیں۔ اس طاغوتی لشکر کا سرکردہ ابلیس ہے۔ اس کے برعکس اہل ایمان کی راہنمائی کرنے اور انہیں کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جانے والے رسولوں کا مبارک گروہ ہے۔ جس کے سردار و سالار حضور ابد قرار، کالی کملی والی سرکار احمد مجتبٰی محمد مصطفٰی ﷺ ہیں۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ خود مومنوں کا مولا، حمائتی اور مددگار ہے۔ اللہ اور اس کے فرشتے اہل ایمان کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جانے کیلئے ان پر رحمتوں کا نزول فرماتے ہیں۔ (الاحزاب: 42)

''اللہ تعالیٰ کے عرش کو اُٹھانے والے اور اس کے گرد جو فرشتے ہیں وہ اللہ کی تسبیح کرتے اور اہل ایمان کیلئے دُعائیں کرتے رہتے ہیں۔ کہ اے اللہ مومنین کی مغفرت فرما انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا کر جنت میں داخل فرما۔ اور جو اِن کے باپ دادا اور انکی بیویوں اور اولاد میں سے نیک ہوں ان کو بھی جنت میں داخل فرما''۔ (سورہ المومن 8,7) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین پر کس قدر رحیم ہیں اور اپنی رحمت سے ان کی مغفرت کیلئے کیا کیا انتظامات کر رکھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آخری زمانہ کے انسانوں کو گمراہی کے اندھیروں سے نکالنے، ان کی زندگی کی غرض و غایت سے آگاہ کرنے اور اپنے قرب کی طرف لے جانے والی سیدھی راہ کی نشاندہی کرنے کیلئے حضور خاتم النبیین، رحمۃ اللعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور ان پر گذشتہ

تمام کتابوں کی تصدیق کرنے والی، قیامت تک آنے والے انسانوں کو ہدایت مہیا کرنے والی اور کامل ترین نظام حیات پیش کرنے والی کتاب ''القرآن'' نازل فرمائی۔ اس کتاب کی فصاحت و بلاغت، اس کا انداز تبشیر و تنذیر، اس میں اللہ کی الوہیت اور ربوبیت پر دیے گئے نا قابل تردید دلائل، اس میں بیان کردہ قصص و امثال، گذشتہ اقوام و ملل کے حالات، آخروی زندگی کی حقیقت اور اس میں پیش آنے والے واقعات، نیکو کاروں اور مجرموں سے کئے جانے والے معاملات کی تفصیل اپنے اندر غافل دلوں اور خوابیدہ ضمیروں کو بیدار کرنے اور سینوں کو منور کرنے کے ہزارہا سامان لئے ہوئے ہے لیکن اس سے صحیح راہنمائی اور ہدایت حاصل کرنے کیلئے سب سے بنیادی شرط تقویٰ کا ہونا ہے۔ جسے اپنے رب سے ملاقات ہونے کا یقین ہی نہ ہو اس میں صراط مستقیم معلوم کرنے کی طلب بھلا کیونکر ہو سکتی ہے۔ ہر شے کی قدر و قیمت طلب ہی سے متعین ہوتی ہے۔ اگر چہ انسانی تاریخ، فلسفہ، نفسیات، طبعیات، فلکیات اور رومانیات کے غیر مسلم علماء بھی اس کے مطالب و معنی کی گہرائی اور وسعت جان کر حیران و ششدر رہ جاتے اور اپنے اپنے علمی مقام کے مطابق اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید کا اصل مقصد بنی نوع انسان کو ہدایت مہیا کرنا ہے اور اسے وہی حاصل کر سکتا ہے جس کے اندر تقویٰ، فکر منزل اور ذوق پرواز ہوگا۔ جو شخص اس جذبہ سے خالی ہو اس کا علم خواہ کتنا ہی متنوع اور وسیع ہو کر قرآن کی حقیقی روح سے نا آشنا اور اس سے فیضیاب ہونے سے محروم رہے گا۔ اس کتاب سے ہدایت کا اکتساب تقویٰ کے معیار کے مطابق ہوتا ہے۔ جیسے جیسے ایک مومن میں تقویٰ بڑھتا چلا جاتا ہے ویسے ویسے قرآنی اسرار و رموز اور اسلام کی حقانیت کیلئے اس کا سینہ کھلتا چلا جاتا ہے۔ اس سے یہ امر روشن ہو کر سامنے آ گیا کہ قرآنی ہدایت اور تقویٰ میں ایک خصوصی ربط و تعلق ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تقویٰ کس طرح پیدا ہوتا اور ترقی کرتا ہے۔ قرآن کی تعلیم کی روشنی میں اس کا جواب یہ ہے کہ اس خیر و خوبی کے مصدر کی خشت اول اسلامی طرز حیات کا راہنما اصول کلمہ لا الہ اللہ محمد الرسول اللہ ہے۔ یعنی انسان سچے دل سے یہ حقیقت تسلیم کر لے۔ کہ میرا معبود اور حاکم اللہ ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور ان کی اطاعت اور اتباع ہی میں میری دنیوی اور اُخروی فلاح

ہے۔تمام آسمانی کتابوں کا بنیادی پیام اور انبیا کی تعلیم کا خلاصہ اللہ تعالیٰ کی واحدانیت اور یوم آخرت پر ایمان لا کر موت کے بعد والی حقیقی اور ابدی زندگی کو دنیا کی عارضی زندگی پر ترجیح اور فوقیت دینا ہے۔اِن عبادات کی ادائیگی سے ایک مومن اپنا قلبی تعلق متاع دنیا سے توڑ کر اللہ کی ربوبیت کا زبانی اقرار اور عملی اظہار کرتا رہتا ہے۔مثال کے طور پر نماز ہی کو لے لیں جسے حضورؐ نے دین کا ستون اور جنت کی کنجی فرمایا ہے۔اس کے ذریعے سے مومن تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد اپنے گھر، اہل وعیال، کاروبار، ملازمت اور جسمانی راحت و آرام کی محبت کو توڑتا رہتا ہے۔تا کہ یہ تعلق پختہ ہو کر خسران کا باعث نہ بن جائے۔وہ متاع غرور اور بتان وہم وگمان سے اپنا رشتہ منقطع کر کے اللہ کے حضور اپنا سرِ نیاز خم کر کے یہ ثابت کر دیتا ہے کہ اسکی وفاؤں کا قبلہ اور محبت کا مرکز صرف اللہ سبحانہ تعالیٰ کی بابرکت ذات ہے۔اِسی طرح زکوٰۃ اور حج بھی مال وزر، اہل وعیال اور ارض وطن کی محبت کو مطلوبہ اعتدال پر لانے اور اللہ سے اپنا تعلق بڑھانے کے وسائل ہیں۔

قرآن کی سورۃ توبہ کی آیت نمبر 111 میں ارشاد ہوا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کے اموال اور ان کی جانیں جنت کے بدلے خرید لئے ہیں'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث مبارکہ بھی ہے کہ ''تم اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنی خواہشات کو اس کے تابع نہ کر لو جو میں لایا ہوں''۔اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ اور ایمان کا اعلیٰ مقام یہ ہے۔کہ بندہ اپنی تمام خواہشات کو اپنے رب کی رضا کے ماتحت کر دے۔اس معیار کے حصول کیلئے نفس کے سرکش گھوڑے کو اطاعت کی مضبوط لگام دینا اور مادی لذات کی محبت کو منقطع کرنا نہایت ضروری ہے۔یہ اہم مقصد ایک مربوط اور پُر از حکمت تربیتی نظام کا تقاضہ کرتا ہے۔چنانچہ اسی غرض کیلئے مومنین پر روزے فرض کئے گئے اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا گیا کہ ''اللہ کی طرف سے یہ کوئی نیا حکم نہیں ہے بلکہ گذشتہ تمام اُمتوں کو بھی نفس کی اصلاح کر کے تقویٰ کو تقویت دینے کیلئے یہی کارگر نسخہ عطا کیا گیا تھا۔انسانی نفس کی یہ فطرت ہے کہ فاقے سے کمزور اور مضمحل ہو کر اپنی درندگی اور بہیمیت سے رُک جاتا ہے اور اس کی اس حالت سے فائدہ اُٹھا کر اسے اللہ کی اطاعت

اور بندگی کی طرف مائل کیا جا سکتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ درندوں کو سرکس میں مختلف کرتب دکھانے کی تربیت دینے کیلئے بھی پہلے انہیں کئی کئی دن بھوکا پیاسا رکھا جاتا ہے اور پھر اپنی خوراک تک پہنچنے کیلئے مطلوبہ کرتب کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اس لئے مومنین کو یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ روزے کا مقصود بھوکا پیاسا رہنا نہیں بلکہ نفس کی اصلاح کرنا ہے۔ اس لئے اس مقصد کو شعوری طور پر پیش نظر رکھتے ہوئے، بھوک کی حالت میں جسم کے تمام اعضاء اور نفس کی خواہشات کو احکام الٰہی کا پابند بنا کر روزے سے حقیقی فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ حضورﷺ کی اس حدیث کا مصداق ہم بن جائیں جس میں آپﷺ نے فرمایا کہ "کئی روزہ دار ایسے ہونگے جنہیں روزے سے بھوک پیاس کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا"۔

آخر میں ان حکمتوں اور برکتوں کا ذکر کرنا ہے جو ماہ رمضان ہی کو ماہ صیام قرار دینے میں ہیں۔ یہ سبھی جانتے ہیں کہ انسانوں کو ہدایت کیلئے اللہ تعالٰی کی آخری کتاب کے نزول کا شرف ماہ رمضان کو عطا ہوا۔ جس کی وجہ سے یہ مہینہ ہمیشہ کیلئے خصوصی رحمتوں اور برکتوں کا حاصل بن گیا ہے۔ اس مہینہ کی ایک خاص رات لیلۃ القدر کو ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کی انفرادیت سے نوازا گیا۔ بعض روایات کے مطابق گذشتہ آسمانی کتابیں بھی اسی ماہ مبارک میں اتاری گئی تھیں۔ اس مہینہ میں اللہ تعالٰی اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہوتے ہیں۔ اِسی لئے حضورﷺ نے اسے خاص طور پر اللہ کا مہینہ فرمایا ہے۔ اللہ کی رحمت سے اس میں برائی کے اثرات کم اور نیکی کے ثمرات کئی گناہ زیادہ کر دئے جاتے ہیں۔ جہنم کے دروازے بند اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے نفس کو زیر کر کے روحانی قوتوں کو ترقی دینے یعنی تقویٰ کو فروغ دینے کیلئے اس ماہ سے بہتر مہینہ اور کونسا ہو سکتا تھا۔ اس لئے ہماری سہولت کیلئے اللہ رحیم و کریم نے ماہ رمضان ہی کو ماہ صیام قرار دے دیا تاکہ اس کی رحمتیں اور برکتیں بھی ہماری معاون بن جائیں۔ اللہ سبحانہ وتعالٰی نے انسانوں کی ہدایت کیلئے قرآن نازل فرمایا لیکن اس نور سے استفادہ تقویٰ کی عدم موجودگی میں ممکن ہی نہیں چنانچہ قرآن کریم کے شروع میں فرمادیا گیا کہ اس کتاب میں متقین کیلئے ہدایت ہے۔ اِسی مناسبت سے قرآن کے

نزول والے بابرکت مہینہ ہی کوتقویٰ کی ترقی کیلئےمخصوص فرمادیا گیا۔اسی لئے پورے عالم اسلام میں اس ماہ کے دوران کثرت کے ساتھ قرآن کی تلاوت اور سماعت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔تا کہ روزے سے حاصل ہونے والی روحانی صلاحیت کی بدولت مومنین پر قرآن کی حقانیت روشن سے روشن تر ہوتی چلی جائے اور اسلام ان کے دلوں میں گھر کر جائے اور پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو کر اللہ کے انعام واکرام کے حقدار بن جائیں۔

ماہ صیام کی تربیت اگر پورے اہتمام اور ظاہری اور معنوی لوازمات کی کامل پابندی کے ساتھ مکمل کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ سال کے باقی گیارہ مہینوں میں اس کے اثرات قائم نہ رہیں۔اگر کبھی تقویٰ میں کمزوری محسوس ہونے لگے تو نفلی اور سنت روزہ سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ روزہ ایک ڈھال ہے۔تو مومن کو چاہیے کہ اپنے حقیقی دشمن یعنی شیطان کے حملوں کو روکنے کیلئے اس دفاعی ہتھیار کو پوری قوت اور شدت سے استعمال بھی کرے۔جب بھی شیطان کی طرف سے کسی حرام کام کے ارتکاب کیلئے دل میں وسوسہ پیدا ہو تو مومن کو چاہیے کہ ماہ رمضان کے دوران ضبطِ نفس کی تربیت کو یاد رکھے۔یہی لمحہ مومن کے ایمان اور تقویٰ کے امتحان کا ہوتا ہے۔جو مومن بندہ ماہ رمضان میں اپنے رب کے حکم پر روزے کے دوران حلال رزق اور جائز جنسی خواہشات سے بھی اپنے آپ کو روک لیتا ہے۔اس کیلئے کسی حرام فعل کا ارتکاب یا اللہ کی معصیت سے اپنے آپ کو باز رکھنا تو آسان تر ہوتا ہے۔ایسے ہی کردار کے حامل لوگ متقین کہلاتے ہیں۔اور آخرت میں جنت کی نعمتیں بھی متقین کے لئے ہی وقف ہیں۔اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو رمضان المبارک کی برکتوں سے کامل طور پر مستفیض فرما کر متقین اور مقربین میں شامل فرمائے۔آمین! (فلاح آدمیت جنوری 1998)

روزہ اور روحِ انسانی

(محمد عتیق عباسی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ وکفی والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفےٰ۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر183 میں روزہ کی فرضیت کا حکم فرمایا۔ روزے کے اغراض و مقاصد بیان فرمائے ۔اور آیت کا اختتام۔

لعلکم تتقون پر کیا۔یعنی تم نفس کی تمام تر مرغوبات،خواہشات اور بہمیت سے نجات حاصل کر کے متقی بن جاؤ۔

پھر اِس سے اگلی آیات نمبر 184 اور نمبر 185 میں رمضان المبارک کے مخصوص فضائل، ثمرات اور نتائج کے احوال کا ذکر فرماتے ہوئے ۔آیت نمبر 185 کے آخر میں ارشاد ہوا۔اللہ کی کبریائی بیان کرو۔جس نے رشد و ہدایت فرمائی اس کی بارگاہ میں نذرانہ تشکر و تکبیر پیش کریں۔

تقویٰ اختیار کرنے کا نتیجہ لازماً تزکیہ نفس ہے ۔تو کیا روزہ کا روحِ انسانی کا تزکیہ بھی مقصود ہے اور کیا تعلق ہے۔

ماہ صیام کی فضیلت ،عظمت، برکات اور افادیت کے متعلق متعدد روایات ہیں ۔لیکن اِس ضمن میں ایک نہایت ہی اہم قابل غور و فکر اور لائق توجہ ایک حدیث قدسی ہے۔

الصوم لی وانا اجزی بہo

ترجمہ:۔روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

(متفق علیہ بخاری و صحیح مسلم بروایت ابوھریرہؓ)

روزہ کے علاوہ نماز، زکوٰۃ، حج اور دیگر نفلی عبادات بھی تو اللہ کیلئے ہیں ۔مقام غور و فکر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے عبادتِ صیام کو اور اس کی جزا کو خود اپنے لئے کیوں مخصوص قرار دیا۔

عصر حاضر میں جہاں مادہ پرستی اور غفلت پسندانہ رُجحانات کا غلبہ ہے اور اکثریت اس کے زیر اثر ہے دین کے لطیف حقائق جیسے عہد الست ،وحی ربانی ،کشف و الہام ،رویائے صادقہ کی جانب

توجہ دینے کی فرصت کہاں ۔اس کا شعور اور ادراک ہی نہیں ۔اسی طرح متذکرہ حدیث قدسی کی حقیقت بھی منکشف نہیں ۔

عامتہ الناس تو کیا، اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کی اکثریت بھی روحِ انسانی کے جسد خاکی سے علیحدہ، مستقل وجود، جداگانہ تشخص اور اپنے رب کے ساتھ ربط اور خصوصی تعلق سے بے خبر اور لاعلم ہی نہیں بلکہ روح کو زندگی سمجھنے کی مغالطہ میں مبتلا ہے ۔

(جبکہ امر ربانی، وحی ربانی اور روح ربانی میں گہری مماثلت اور ربط ہے ۔یہ ایک الگ موضوع ہے)

حالانکہ زندگی تو تمام حیوانات و نباتات میں بھی موجود ہے ۔یہ روح ربانی ہی تو ہے جسکے سبب انسان تمام حیوانات سے ممتاز کہلایا۔

حقیقتاً انسان کا وجودِ کامل دو اجزاء پر مشتمل ہے ۔ایک وجود حیوانی جو جسد و حیات کا مجموعہ ہے اور دوسرا روحِ انسانی جسکو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف نسبت دی ۔چنانچہ فرمایا ۔

ونفخت فيه من روحي (سورۃ الحجر آیت نمبر 29)

ترجمہ: ۔اور میں نے اس میں اپنی روح پھونکی ۔

اور یہی سورۃ السجدہ کی آیت نمبر 9 میں

ونفخ فيه من روحه کے الفاظ میں فرمایا ۔

مزید یہ کہ ایک کا تعلق عالم امر سے ہے اور دوسرے کا تعلق عالم خلق سے جس میں تخلیق و تسویہ کا عمل مرحلہ وار ہوتا ہے ۔ایک خاکی الاصل ہے تو دوسرا اقدسی الاصل ہے ۔ایک کا عالم سفلی کی جانب رجحان ہے ۔جبکہ دوسرا عالم علوی کیطرف مائل پرواز ہے ۔ایک ''**اسفل سافلين**'' (سورۃ التین) کے تحت آتا ہے ۔اور دوسرے کا مقامِ مقصودِ اعلیٰ ''**عليين**'' (سورۃ المطففین) ہے ۔ایک بالفاظِ قرآنی: ۔

ولكنه اخلد الى الارض واتبع هوائه (سورۃ الاعراف آیت نمبر 157)

لیکن وہ زمین کی طرف مائل ہوگیا ۔اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی ۔

جبکہ دوسرا عالم بالا کی جانب متوجہ اور مائل ہی نہیں بلکہ فرشتوں سے بھی سبقت لے گیا۔ مشہور مقولہ ہے "ہر شے اپنے اصل کیطرف لوٹتی ہے۔

گویا کہ دونوں باہم متضاد اور متصادم ہیں۔ لہٰذا دونوں میں سے ایک تقویت پاتا ہے تو دوسرا ضعف اور کمزوری میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ ایک غالب آئے گا۔ تو دوسرا مغلوب ہوگا۔ ایک کا دباؤ بڑھنے سے دوسرا نحیف اور کمزور ہوگا۔

چنانچہ جسد خاکی کی پوری تسکین، راحت اور آرام کی کثرت اور خواہشات نفسانی کے لئے دوڑ دھوپ سے روح انسانی نحیف و مضمحل ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک انسان کا جسد خاکی کھاتا پیتا، چلتا پھرتا، تندرست و توانا تو نظر آتا ہے۔ لیکن اس کی روح نہایت ہی نحیف و کمزور ہوجاتی ہے اور سسکتی رہتی ہے۔ گویا روح کے لئے جسد خاکی چلتی پھرتی قبر بن کے رہ جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ المنافقون کی آیت نمبر 4 میں خصوصاً منافقین سے یوں فرمایا۔

واذا رایتھم تعجبك اجسامھم وان یقولوتسمع لقولھم کانھم خشب مسندہ۔

اور جب آپ انہیں دیکھیں تو ان کے جسم، تن و توش آپ کو خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ اور گفتگو کرتے ہیں تو غور سے سنتے ہیں۔ حالانکہ وہ حقیقت میں خشک لکڑیوں کے مانند ہیں جو دیوار کے سہارے بغیر کھڑی بھی نہیں ہوسکتی۔

سوچ لیجئے سوکھی ہوئی لکڑی تو ایندھن کے کام آتی ہے۔

بقول شاعر

از بروں چوں گور کافر پر خلل
واندروں قہر خدائے عزوجل

مختصراً روح کو صرف زندگی کے ہم معنی سمجھنے سے انسان دین کے لطیف حقائق سے ہی روشناس نہیں ہوپاتا بلکہ دین محض نظام حیات ہی بن کر رہ جاتا ہے۔

ارواح انسانی کی تخلیق، اجساد خاکی کے خلق ہونے سے بہت پہلے ہوئی۔حضرت آدمؑ کے عالم اجساد میں تخلیق سے پہلے اور تا قیامت پیدا ہونے والے تمام انسانوں کی ارواح اپنے شعور ذات، جدا گانہ تشخص، مراتب، مناصب اور جملہ امتیازات کے ساتھ موجود تھیں۔قرآن حکیم نے عہدالست صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور آخرت میں محاسبہ کے لئے اہم حجت قرار دیا ہے۔ارشادِ ربانی ہے۔

''وہ تیرے رب کے سامنے صف بستہ پیش کئے جائیں گے۔آخر البتہ تم ہمارے سامنے آ گئے۔جیسے ہم نے تمہیں پہلے پیدا کیا۔جبکہ تم سمجھتے تھے کہ ہم تمہارے لئے ہرگز کوئی وقت موعود نہ ٹھہرائیں گے۔ (سورہ الکھف آیت نمبر 48)

متعدد احادیث مبارکہ سے بھی یہ مزید واضح ہو جاتا ہے۔

نبی کریمؐ صرف خلق کے اعتبار سے ہی سب پر مقدم ہی نہیں بلکہ آپؐ اس وقت بھی نبی تھے۔ جبکہ ابھی آدمؑ کا جسد، تخلیق وتسویہ کے مراحل سے گزر رہا تھا۔ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔کہ صحابہ کرامؓ نے دریافت فرمایا کہ یارسول اللہؐ آپ کو نبوت کب ملی۔آپؐ نے فرمایا اس وقت جب آدمؑ ابھی روح اور جسد کے درمیان تھے۔یعنی ابھی ان میں روح نہیں پھونکی گئی تھی۔

لہٰذا ظاہر ہے کہ ارواح انسانی، اجسادِ انسانی کی تخلیق سے قبل وجود میں آ چکی تھیں۔اور ان کے درمیان مراتب ومناصب اور جملہ امتیازات بھی موجود تھے۔

صیام وقیام۔لازم وملزوم

نبی کریمﷺ نے ماہ شعبان کے آخری روز رمضان المبارک کی فضیلت، افادیت، برکات اور عظمت کے متعلق جو خطبہ دیا اس میں یہ بھی فرمایا کہ

جعل الله صيامه فريضة وقياما ليمه تطوعا

اللہ نے اس ماہ کے روزے رکھنا فرض قرار دیا اور رات کا قیام تطوع یعنی نفلی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔اگرچہ قیام لیل نفلی عبادت ہے۔لیکن قیام اور صیام دونوں کے ساتھ''**جعل الله** ''آیا ہے۔اس اللہ کی جانب سے مجعول ہے۔

یہ حقیقت ہے۔ کہ انسان کا وجود حیوانی خاکی الاصل ہونے کی بناء پر تغذیہ وتقویت اور تمام ضروریات زمین سے حاصل کرتا ہے۔ اور اسی میں لوٹے گا۔ جبکہ انسان کی روح قدسی الاصل ہے۔ امر رب ہے۔ تو اس کی جملہ ضروریات تغزیہ وتقویت اور دیگر حاجات بھی کلام ربانی، ذکر ربانی، دعا، حمد و ثناء سے ہی حاصل ہو سکتی ہیں۔

اس پر بھی غور کیجئے۔ کہ وحی لانے والے کو بھی قرآن نے کہیں ''روح الامین'' اور کہیں ''روح القدس'' سے موسوم فرمایا۔ اور قلب مومن بھی روح کا مسکن یعنی وحی خود بھی روح، لانے والا بھی روح۔

غالباً علامہ اقبال نے اسی لئے فرمایا۔

محمدؐ بھی تیرا، جبرئیل بھی، قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرفِ شیریں ترجمان تیرا ہے یا میرا؟

گویا یہ سب نسبت الی اللہ ہے۔

اور یہ کہ سورۃ مومن کی آیت نمبر 15 میں فرمایا۔

یلقی الروح من امرہ علی من یشآء من عبادہ o

وہ اپنے حکم سے روح ڈالتا ہے، القا فرماتا ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے۔

سورۃ الشوریٰ آیت نمبر 5 اور سورۃ النحل آیت نمبر 2 میں بھی یہی مضمون وارد ہوا ہے۔ روح سے ہی تعبیر فرمایا۔

سورۃ القدر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ملائکہ اور روح میرے حکم سے نازل یعنی اترتے ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے۔ کہ جبرئیل امین فرشتوں کے ہجوم میں آتے ہیں۔ تاکہ اس مبارک شب اہل زمین کو خیر و برکت سے نوازا جائے۔ باطنی حیات اور روحانی برکات سے مستفیض کیا جائے۔ روح سے مراد کوئی اور مخلوق بھی ہو سکتی ہے (واللہ عالم) بہر حال برکات کا خاص نزول ہوتا ہے۔

الغرض صیام وقیام کی اصل حکمت ،غرض و غایت ،افادیت اور مقصد یہ ٹھہرا۔ کہ ایک طرف تو روزہ انسان کے تزکیہ نفس کا سبب بنے تا کہ روح انسانی کو نفس کے غلبے سے آزادی نصیب ہو اور دوسری طرف راتوں کو کلام ربانی ،ذکر اور اذکار ربانی ، دُعا ،حمد و دعا سے روح تغذیہ و تقویت حاصل کرے۔ روح کو آسودگی میسر آئے اور از سرنو اللہ کے تقرب کے لئے پوری قوت ،کمال شدومد سے بیدار رہو۔ بھرپور قوت ،توانائی ،ذوق وشوق سے اپنے مرکز کی جانب مائل پرواز ہو اور پورے اخلاص سے اپنے رب کی جانب متوجہ ہو۔

متذکرہ حقائق کی روشنی میں غور کیجئے اور سوچئے تو معلوم ہوگا۔ کہ روح انسانی جہاں ''امرربانی'' ہے وہاں ''جلوہ ربانی'' بھی ہے۔

گویا روح ربانی جو مکین ہے قلب انسانی کی براہ راست متصل ہے ذات رب سے ۔مزید یہ کہ ایک حدیث قدسی کے مطابق قلب مومن کی مکین خود ذات ربانی ہے۔

ما وسعني ارضي ولا سمائي ولكن وسعني قلب عبدي المومن o

میں نہ زمین میں سما سکا اور نہ ہی آسمان میں مگر میری سمائی بندہ مومن کے قلب میں ہوگی ۔

لہٰذہ روزہ خاص اللہ کے لئے ہوا اور وہ خود ہی جزا دے گا۔

باالفاظ دیگر ہم کہہ سکتے ہیں ۔وہ خود ہی بنفس نفیس روزہ کا انعام و اکرام ہے۔

بقول علامہ اقبالؒ

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے؟ رہرو منزل ہی نہیں

ازروئے حدیث قدسی اگر بندہ اس کی جانب چل کر آتا ہے تو وہ بندے کی جانب دوڑ کر آتا ہے ۔اور ازروئے قرآن کریم اللہ کے شکر گزار بنو ،تم ذکر کرو میرا (دل سے ،زبان سے فکر سے ہر طرح سے یاد کرو) میں تمہیں یاد کروں گا یعنی بے شمار رحمتیں اور نئی نئی عنایت تم پر ہوتی رہیں

گی (سورۃ البقرہ)

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں عبادت صیام اس کی اصل روح ،غرض وغایت اور افادیت کے عین مطابق ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور اپنے فضل وکرم سے محض فاقے ، رات جگے ۔

اور ''**ومن صیام یرای فقد اشرك** سے محفوظ رکھے ۔آمین۔

آخر میں درج ذیل حدیث مبارکہ نذر کرنا چاہوں گا ۔

من صیام رمضان ایمانا واحتسابا غفرله ماتقدم من ذنبه ومن قام رمضان ایماناواحتساباغفرله ماتقدم من ذنبه۔

جس نے رمضان کے روزے ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت میں رکھے اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے اور جو رمضان میں ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت میں کھڑا رہا۔(قرآن سننے،سنانے ،ذکر،اوراد،دعااور مناجات)اُس کے سابقہ تمام گناہوں کی معافی ہوگی۔

متذکرہ بیان میں جوحق ہے وہ منجانب اللہ ہے ۔کوئی خطا یا زوگزاشت ہے ۔تو آپ بھی میری بخشش کی رب کے حضور التجاء کیجئے ۔میں نہایت ہی عاجزی سے اللہ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں۔**ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا۔ واغفرلنا وانت خیرو الغافرین** !آمین یارب العلمین ۔

کلمہ طیبہ اور السلام

(پیر خان توحیدی)

السلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر مشتمل ہے۔اور وہ پانچ چیزیں جن پر السلام کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ ہیں 1۔کلمہ طیبہ 2۔نماز 3۔روزہ 4۔حج 5۔زکوٰۃ ان مذکورہ پانچ چیزوں کے بغیر اسلام مکمل نہیں ہوسکتا۔بالفاظ دیگر اسلام ایک عمارت ہے کلمہ اس کا دروازہ ہے نماز، روزہ حج اور زکوٰۃ اس کے ستون ہیں۔جس طرح کوئی بھی عمارت دروازے اور ستونوں کے بغیر نہ تو عمارت کہلاسکتی ہے اور نہ ہی قائم رہ سکتی ہے۔اسی طرح اسلام بھی مذکورہ چیزوں کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ان ستونوں میں سے کوئی ایک بھی ستون کمزور پڑجائے یا نکال دیا جائے تو عمارت کے منہدم ہونے کا خطرہ لاحق ہوجاتا ہے۔جس طرح دروازے کو عمارت کی کلیدی حیثیت حاصل ہے اسی طرح کلمہ کو بھی اسلام میں کلیدی حیثیت حاصل ہے۔کلمہ ہی تو ہے جس کے ذریعہ اسلام میں داخلہ ملتا ہے۔اسے پڑھ کر جب کوئی شخص اسلام میں داخل ہوتا ہے تو دوسرے کام نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ خودبخود اس پر لازم ہوجاتے ہیں۔دیکھنا یہ ہے کہ یہ کلمہ ہے کیا۔اور اس کو اتنی فضیلت کیوں حاصل ہے یہ کلمہ دوحصوں پر منقسم ہے۔اس کا پہلا حصہ توحید ہے اور دوسرا حصہ رسالت اس طرح پورا کلمہ **لا الہ اللّٰہ محمدرسول اللّٰہ** کلمہ طیب کہلاتا ہے اور یہ اسلام میں داخل ہونے کی اولین شرط ہے۔ان الفاظ کو زبان سے ادا کرتے ہی آدمی کچھ سے کچھ ہوجاتا ہے۔پہلے وہ کافر تھا اب مسلمان ہوگیا۔پہلے ناپاک تھا اب پاک ہوگیا۔پہلے خدا کے غضب کا مستحق تھا اب اُس کا پیارا ہوگیا۔پہلے دوزخ میں جانے والا تھا اب جنت کا دروازہ اس کے لئے کھل گیا بلکہ اس کلمہ نے اس کی ساری زندگی ہی کو بدل ڈالا۔جو اس کلمے کو پڑھنے والے ہیں وہ ایک امت ہوتے ہیں اور جو اس سے انکار کرتے ہیں وہ دوسری امت ہوجاتے ہیں۔باپ اگر کلمہ پڑھنے والا ہے اور بیٹا اس سے انکار کرتا ہے تو گویا باپ باپ نہ رہا اور بیٹا بیٹا نہ رہا۔اب باپ کی جائیداد وغیرہ سے اس بیٹے کو ورثہ نہ ملے گا۔اس طرح ایک بھائی اگر کلمہ گو ہے اور دوسرا انکاری ہے تو اب یہ بھائی بھائی نہیں رہیں گے۔دونوں کے راستے جدا ہوجائیں گے بلکہ ایسے بیٹے اور بھائی سے ماں اور بہنیں

تک پردہ کرنے لگیں گی۔ یہ کلمہ ایسی چیز ہے جو غیروں کو ملا دیتا ہے۔اور اپنوں کو کاٹ دیتا ہے۔حتیٰ کہ خون اور رحم کے رشتے بھی اس کے مقابلہ میں مٹ جاتے ہیں۔

جنگ بدر میں ایک طرف صحابہؓ کی کلمہ گو جماعت اور دوسری طرف منکرین کلمہ کی جماعت جو ایک دوسرے کے قریبی رشتہ دار بلکہ خون اور رحم کے رشتہ دار صف آرا تھے ایک بین ثبوت ہے۔یہ دونوں قوتیں اپنے اپنے جذبہ میں پوری طرح سرشار ہوکر آمنے سامنے تھیں۔ایک طرف آبائی مذہب، قدیم رسم ورواج، اپنی قیادت اور معاشی مفاد کا بچاؤ کرنے کے لئے خون کھول کر رہا تھا تو دوسری طرف کرنوں کا ایک غول تھا جو مدینہ کے اُفق سے ظہور کرنے والی صبح نو کو پورے خطہ حیات میں پھیلا دینا چاہتا تھا اور اگر ایک طرف بھائی تھا تو دوسری طرف دوسرا بھائی بھائی کے خون سے اپنی تلوار رنگین کر رہا تھا ایک حضرت ابو بکر صدیقؓ صحابہ کی جماعت سے کفار پر تلوار چلا رہے تھے تو دوسری طرف آپ کا بیٹا عبدالرحمٰن ''جو ابھی کلمہ پڑھ کر مسلمان نہیں ہوا تھا'' صحابہ پر وار کر رہا تھا۔ایک طرف عمر فاروقؓ لڑ رہے تھے۔تو دوسری طرف آپ کا بھائی مقابلہ میں کھڑا تھا جنگ بدر کے کچھ عرصہ بعد جب حضرت عبدالرحمٰنؓ اسلام میں داخل ہو چکے تھے ایک دن اپنے والد حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہنے لگے ابا جان بدر کی جنگ میں آپ کئی بار میری تلوار کی زد میں آئے لیکن میں نے آپ کو باپ سمجھ کر چھوڑ دیا اس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بیٹے کو جواب دیا بیٹا اگر تم میری تلوار کی زد میں آ جاتے تو میں تمہیں کبھی نہ بخشتا۔ایک دوسرا واقعہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کرنے کی غرض سے ابوسفیان جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے مدینہ میں نبی رحمتؐ کو ملنے آئے۔آپؐ اس وقت گھر میں موجود نہ تھے۔ابوسفیان اپنی بیٹی ام حبیبہؓ ''جو نبی رحمتؐ کی ازواج مطہرات میں سے تھیں'' کے پاس پہنچ کر آپ ﷺ کے بستر پر بیٹھ گیا۔اُم حبیبہؓ نے باپ کو یہ کہہ کر کہ یہ پاک نبی کا پاک بستر ہے بستر سے اٹھا دیا۔ابوسفیان نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا لیکن بیٹی نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔یہ اس کلمہ کا اثر دوسری طرف اگر ہم مہاجرین اور انصار کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین اور انصار کا رشتہ بھی اسی کلمہ کے ذریعہ استوار ہوا۔انصاریوں نے اپنا سب کچھ مہاجرین پر قربان کر دیا حتیٰ کہ اگر کسی انصاری کی دو بیویاں تھیں تو اس نے ایک کو طلاق دے کر مہاجر بھائی کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔اب ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ اس کلمہ میں کیا چھپا ہوا ہے جو انسانوں کی زندگیوں میں

اتنا بڑا انقلاب لے آتا ہے جو آدمی اور آدمی میں اتنا بڑا فرق پیدا کر دیتا ہے۔ جو اپنوں کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا بھائی اپنا غم خوار اور ہمدرد بنا لیتا ہے۔ صرف چند حروف ہی تو ہیں جو آدمی کی کایا پلٹ دیتے ہیں۔ اگر ہم ذرا سمجھ سے کام لیں تو عقل خود کہہ دے گی کہ فقط منہ کھولنے اور زبان ہلا کر چند حروف بول دینے کی اتنی بڑی تاثیر نہیں ہو سکتی۔ بت پرست، مشرک لوگ تو کہہ سکتے ہیں کہ ایک منتر پڑھ دینے سے پہاڑ ہل جائے گا زمین شق ہو جائے گی اور چشمے ابلنے لگیں گے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ساری تاثیر بس حرفوں میں ہے جو زباں سے نکلے اور طلسمات کے دروازے کھل گئے لیکن اسلام میں یہ بات نہیں۔ یہاں اصل چیز معنوں میں ہے۔ معنے اگر نہ ہوں اور دل میں نہ اتریں اور ان کے زور سے ہمارے خیالات ہمارے اخلاق اور ہمارے اعمال نہ بدلیں تو میرے الفاظ بول دینے سے کچھ بھی اثر نہ ہوگا مثال کے طور پر اگر ہمیں سردی لگتی ہے تو زباں سے کمبل، لحاف، آگ پکارنا شروع کر دیں تو سردی لگنی بند نہ ہوگی چاہے ساری رات ہی یہ ورد جاری رکھیں۔ البتہ کمبل، لحاف اُوڑھ لیں یا ہیٹر جلا کر کمرہ گرم کر لیں تو سردی لگنی بند ہو جائے گی یا ہمیں نزلہ، زکام، بخار کی شکایت ہے تو جوشاندہ، یون ستان، السی ڈال پڑھنا شروع کر دیں تو بیماری میں کوئی فرق نہ آئے گا جب تک جوشاندہ پی نہ لیں۔ یون ستان کھا نہ لیں۔ بس یہی حال کلمہ طیبہ کا ہے صرف چند الفاظ بول دینے سے اتنا بڑا فرق نہیں ہوتا کہ آدمی کافر سے مسلمان، ناپاک سے پاک، مردود سے محبوب اور دوزخی سے جنتی بن جائے۔ یہ فرق صرف اس طرح ہوگا کہ پہلے ان الفاظ کا مطلب سمجھا جائے اور انہیں دل میں اتارا جائے پھر مطلب کو جان بوجھ کر اس احساس کے ساتھ بولا جائے کہ ہم اپنے خدا کے سامنے کتنی بڑی بات کا اقرار کر رہے ہیں اور ہمارے اوپر کتنی بڑی ذمہ داری آ گئی ہے۔ پھر ہمیں اپنے دل و دماغ میں کسی ایسی بات کو جگہ نہیں دینی چاہئے جو اس کلمہ کے خلاف ہو اور یہ فیصلہ کر لینا چاہیے کہ جو بات اس کے خلاف ہو گی وہ جھوٹی ہو گی اور ہم اسے ہرگز نہ مانیں گے۔

علامہ نے کیا خوب کہا ہے کہ۔

چوں میگویم مسلمانم بہ لرزم
کہ دانم مشکلات لا الہ را

کہ جب میں کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں کلمہ گو ہوں تو میں لرز جاتا ہوں کانپ جاتا ہوں

کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اس کلمہ کی کیا قدر و قیمت ہے اور اس کی کیا مشکلات ہیں۔ اس کلمہ کا اقرار کرنے کے بعد اب ہم کافروں کی طرح آزاد نہیں رہے کہ جو چاہیں کریں بلکہ اب تو ہم اس کلمہ کے پابند ہو نگے۔ اب جو اللہ کہے گا اسے کرنا ہوگا اور جس سے وہ منع کرے اسے چھوڑنا ہوگا۔ اس طرح اس کلمہ کو پڑھنے اور اس پر عمل کرنے سے آدمی مسلمان ہوتا ہے اور اس طرح پڑھنے سے آدمی اور آدمی میں فرق ہوتا ہے۔ قرآن بھی یہی کہتا ہے کہ کلمہ پڑھنے اور نہ پڑھنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے کلمہ پڑھنے والا زندہ ہے اور نہ پڑھنے والا مردہ۔

کلمہ کا مطلب:۔ اس کلمہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور خدا نہیں کوئی اور معبود نہیں۔ یا نہیں کوئی معبود مگر اللہ اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ کلمہ میں **الــہ** کا جو لفظ آتا ہے اس کے معنی خدا کے ہیں اور خدا اس کو کہتے ہیں جو مالک ہو حاکم ہو خالق ہو پالنے پوسنے والا ہو۔ دعاؤں کا سننے والا ہو اور عبادت کا مستحق ہو۔ **لا الہ الا اللّٰہ** کہہ کر ہم نے یہ اقرار کرلیا کہ کائنات نہ تو خدا کے بغیر بنی ہے اور نہ ہی ایسا ہے کہ اس کے بہت سارے خدا ہوں۔ بلکہ اس ساری کائنات کا خدا صرف اور صرف ایک ہی ذات ہے اور دوسری بات جس کا اقرار کیا وہ یہ ہے کہ ایک ہی خدا ہمارا اور سارے جہاں کا مالک ہے اور سب کچھ اُسی کا ہے۔ خالق وہ ہے۔ رازق وہ ہے موت اور زندگی اُس کی طرف سے، مصیبت اور خوشی بھی اُسی کی طرف سے ہے۔ ڈرنا چاہئے تو اسی سے، مانگنا چاہیے تو اسی سے، بندگی کی جائے تو اسی کی، اس کے سوا کوئی ہمارا آقا اور حاکم نہیں۔ ہمارا اصل فرض یہ ہے کہ اُسی کا حکم مانیں اسی کے قانون کی پیروی کریں۔ یہ عہدو پیاں ہے جو **لاالــہ الااللّٰــہ** پڑھتے ہی ہم اپنے خدا سے کرتے ہیں اور ساری دنیا کو گواہ بنا کرتے ہیں۔ اگر اس کی خلاف ورزی کریں گے تو ہماری زباں ہمارے ہاتھ پاؤں بلکہ زمین و آسماں کا ذرہ ذرہ ہمارے خلاف خدا کی عدالت میں گواہی دے گا۔ وہاں نہ کوئی بے انصافی ہوگی اور نہ ہی کسی پر ظلم ہوگا جو کچھ بھی ہوگا وہ ہمارے اعمالناموں کا صلہ ہوگا۔ خدا کے ساتھ جھوٹا اقرار کرنا بہت بڑی بے وقوفی ہے۔ اور پھر کسی پر کوئی زبردستی بھی نہیں۔ خواہ مخواہ زبانی اور خالی خولی اقرار محض بے کار ہے۔ اسی لئے علامہ نے فرمایا۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

اس کلمہ کو دل میں اتارنا ہوگا آنکھوں میں بسانا ہوگا کانوں میں گھولنا ہوگا اور زباں سے بولنا ہوگا۔پھر اس کا فائدہ ہوگا پھر اس سے نفع حاصل ہوگا۔**لا الــہ الا اللّٰہ** کہنے کے بعد جب ہم **محمد رسول اللّٰہ** کہتے ہیں تو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ محمدﷺ ہی وہ پیغمبر اور رسول ہیں۔جن کے ذریعہ سے خدا نے اپنا قانون اپنے احکام ہمارے پاس بھیجے۔خدا کو اپنا آقا اور شہنشاہ مان لینے کے بعد یہ معلوم کرنا ضروری تھا کہ اس شہنشاہ کے احکام کیا ہیں ہم کون سے کام کریں جس سے وہ خوش ہوتا ہے اور کونسے کام نہ کریں جس سے وہ ناراض ہوتا ہے۔کس قانون پر چلنے سے ہم کو بخشے گا اور کس کی خلاف ورزی کرنے پر ہم کو سزا دے گا۔یہ سب کچھ جاننے کے لئے خدا نے محمدﷺ کو اپنا پیغام بر مقرر کیا۔آپؐ نے خدا کے حکم کے مطابق زندگی بسر کر کے ہم کو بتایا کہ مسلمان کو اس طرح زندگی بسر کرنی چاہے۔پس جب ہم نے محمد رسول اللہ کہا تو گویا اقرار کرلیا کہ جو قانون جو طریقہ حضورﷺ نے بتایا ہے ہم اس کی پیروی کریں گے اور جو قانون اس کے خلاف ہے اس پر لعنت بھیجیں گے۔یہ اقرار کرنے کے بعد اگر ہم نے حضورؐ کے لائے ہوئے قانون کو چھوڑ دیا اور دنیا کے قانون کو مانتے رہے تو ہم سے بڑھ کر جھوٹا اور کوئی نہ ہوگا۔یہی تو وہ قانون تھا جس کا اقرار کر کے ہم اسلام میں داخل ہوئے اور اسی کی بدولت مسلمان مسلمان کا بھائی بنا اسی کی بدولت ہم نے باپ سے ورثہ پایا اسی کی بدولت ہمیں جائز اولاد ملی اور اسی کی بدولت مسلمانوں کی عزت وآبرو، مال وجان کی حفاظت ہوئی۔اگر ہم لاالہ الااللہ کے معنی جانتے اور اس کا اقرار کرتے ہیں تو ہم کو ہر حال میں خدا کے قانون کی پیروی کرنی ہوگی خواہ اس پر مجبور کرنے والی کوئی پولیس اور کوئی عدالت اس دنیا میں نظر نہ آئے۔اور جب ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ اللہ ہمارا اور ہر چیز کا مالک ہے تو اس کے معنی یہ ہے کہ ہماری جان اپنی نہیں ہمارے ہاتھ اپنے نہیں ہماری آنکھیں ہمارے کان اور ہمارے جسم کا کوئی عضو ہمارا نہیں۔یہ زمین یہ جانور یہ مال واسباب غرضیکہ کوئی بھی چیز ہماری نہیں سب کچھ خدا کا ہے اور اس کی طرف سے بطور عطیہ ہمیں ملا ہے جیسا کہ علامہ فرماتے ہیں۔

یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں لا الہ الا اللہ

اگر ہم اس حقیقت کو سچے دل سے مانتے ہیں کہ ہر چیز کا مالک خدا ہی ہے تو اس سے دو باتیں

ہم پر لازم ہوتی ہیں۔

1 ۔یہ کہ جب مالک خدا ہے اور اس نے اپنی ملکیت امانت کے طور پر ہمارے حوالے کی ہے تو جس طرح مالک کہتا ہے اس طرح ہمیں ان چیزوں سے کام لینا چاہیئے ۔اس کی مرضی کے خلاف اگر ہم ان سے کام لیتے ہیں تو گویا دھوکا بازی کرتے ہیں ۔ہم تو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کو بھی اس کی پسند کے خلاف ہلانے کا حق نہیں رکھتے ۔اپنے کانوں اور آنکھوں سے بھی اس کی پسند کے خلاف کام نہیں لے سکتے ۔ہمیں ان زمینوں اور جائیدادوں پر بھی مالک کی مرضی کے خلاف کوئی حق حاصل نہیں ۔ہماری بیویاں ہماری اولاد جن کو ہم اپنی کہتے ہیں یہ بھی صرف اس لئے ہماری ہیں کہ ہمارے مالک کی دی ہوئی ہیں ۔لہٰذا ہم کو ان سے بھی اپنی خواہش کے مطابق نہیں بلکہ مالک کے حکم کے مطابق ہی برتاؤ کرنا چاہیے ۔اگر ہم اس کے خلاف کریں گے تو ہماری حیثیت غاصب کی ہوگی جس طرح اگر ہم خدا کی دی ہوئی چیزوں کو اپنا سمجھ کر اپنی مرضی چلائیں گے یا خدا کے سوا کسی اور کی مرضی کے مطابق ان سے کام لیں گے تو وہی بے ایمانی کا الزام ہم پر بھی صادر ہوگا ۔اگر مالک کی مرضی کے مطابق کسی کام میں نقصان ہوتا ہے تو ہوا کرئے ۔جان جاتی ہے تو جائے یہ ہاتھ پاؤں ٹوٹتے ہیں تو ٹوٹیں اولاد کا نقصان ہوتا ہے تو ہوا کرے ۔مال و جائیداد برباد ہوتی ہے تو ہو ہم کیوں غم کریں کیوں گلہ کریں ۔جس کی چیز ہے وہی اگر نقصان پسند کرتا ہے تو یہ اس کا حق ہے۔

جان دے دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ہاں اگر مالک کی مرضی کے خلاف کام کریں اور اس میں نقصان ہو تو بلاشبہ ہم مجرم ہیں ۔کیونکہ دوسرے کے مال کے ہم نے خراب کیا ہم تو اپنی جان کو بھی مختار نہیں مالک کی مرضی کے مطابق جان دیں گے تو حق ادا کریں گے اس کے خلاف کام کرنے میں جان دیں گے تو یہ بے ایمانی ہوگی اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا ۔

2 ۔دوسری بات یہ ہے کہ مالک نے جو چیزیں ہمیں عطا کی ہیں ان کو اگر ہم مالک ہی کے کام میں صرف کرتے ہیں تو کسی پر احسان نہیں کرتے نہ مالک پر احسان ہے اور نہ کسی اور پر ہم نے اس کی راہ میں اگر کچھ دے دیا کچھ خدمت کر دی یا جان ہی دے دی جو ہمارے نزدیک بہت

بڑی چیز ہے تب بھی کوئی احسان نہیں کیا زیادہ سے زیادہ جو کام ہم نے کیا وہ بس اتنا ہی تو ہے کہ مالک کا حق جو ہم پر تھا وہ ہم نے ادا کر دیا۔ یہ کونسی بات ہے جس پر کوئی پھولے اور فخر کرے یا یہ چاہے کہ اس کی تعریفیں کی جائیں یا یہ سمجھ بیٹھے کہ اس نے کوئی بہت بڑا کام کر دیا ہے جس کی بڑائی تسلیم کی جائے۔ سچا مسلمان مالک کی راہ میں کچھ خرچ کرنے یا کچھ خدمت کرنے کے بعد پھولا نہیں کرتا بلکہ خاکساری اختیار کرتا ہے۔ فخر کرنا کارِ خیر کو برباد کر دیتا ہے۔ اور تعریف کی خاطر کوئی کارِ خیر کسی اجر کا مستحق نہیں رہتا۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔ **ان اللّٰــہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ** (التوبہ) کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لئے ہیں۔ یہ تو ہے اللہ کا برتاؤ ہمارے ساتھ کہ اس نے ہمیں جان و مال اور دولت عطا کر کے جنت کے بدلے اپنی ہی دی ہوئی چیز ہم سے خرید لی تاکہ کل قیامت کے دن ہم رسوائیوں اور مصیبتوں سے بچ کر جنت میں راحت اور آرام کی زندگی بسر کریں۔ اب ذرا اپنے بارے میں سوچیں اور غور کریں کہ ہمارا اللہ کے ساتھ کیا برتاؤ ہے۔ جو چیز مالک نے ہم کو دی تھی پھر اس کا معاوضہ دے کر خرید بھی لی اس کو ہم غیروں کے ہاتھ بیچتے ہیں اور نہایت ذلیل معاوضہ لے کر بیچتے ہیں اور وہ حقیقی مالک کی مرضی کے خلاف ہم سے کام لیتے ہیں اور ہم یہ سمجھ کر ان کی خدمت کرتے ہیں کہ گویا رازق وہ ہیں مالک وہ ہیں۔ ہم اپنے دماغ بیچتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر بداخلاقی اور کیا ہو سکتی ہے۔ بِکی ہوئی چیز کو بیچنا قانونی اور اخلاقی جرم ہے دنیا میں ایسے شخص پر فریب دہی اور دغابازی کا مقدمہ چلایا جاتا ہے۔ کیا خدا کی عدالت میں ایسے شخص پر مقدمہ نہیں چلایا جائے گا۔ ضرور چلایا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ **من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یراہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یراہ** وہاں سب کچھ ظاہر ہو جائے گا اور اُسی کے مطابق فردِ جرم لگائی جائے گی۔ اللہ ہم سب کو اس کلمہ کی سمجھ عطا فرمائے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

جنگ بدر

(امتیاز احمد)

مسلمانوں کو مکہ مکرمہ میں تیرہ سال کے طویل عرصہ تک ہر قسم کے مظالم اور تکالیف کا سامنا کرنے کے باوجود پلٹ کر جوابی کاروائی کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں تک کہ کافروں نے مسلمانوں کو ان کے گھروں تک سے نکال باہر کیا تھا اور مسلمان طوعاً و کرھاً یہ بھی برداشت کر گئے۔ بالآخر رسول اکرم ﷺ کو بھی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنی پڑی۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ہجرت کرنے کے بعد مدینہ منورہ کے غیر مسلموں سے معاہدے کئے اور اس طرح ایک اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

جنگ بدر اسلام کی پہلی جنگ ہے، جس میں دشمن تعداد میں مومنین سے تین گنا زیادہ تھے، مسلم فوج میں صرف ۳۱۳ سپاہی، ستر اونٹ، دو گھوڑے، اور آٹھ تلواریں تھیں۔ اس سفر کے دوران سواری کے جانور کم تھے اللہ کے رسول ﷺ حضرت ابولبابہؓ اور حضرت علیؓ باری باری ایک اونٹ پر سوار ہوتے جبکہ باقی دو پیدل چلتے۔

دشمنوں کی فوج میں سر سے پیر تک ذرہ بکتر سے لیس ایک ہزار سپاہی تھے۔ جن کے پاس سات سو اونٹ اور سو گھوڑے تھے۔ دونوں فوجیں بدر کے مقام پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئیں۔

آیئے ہم جنگ سے پہلے، جنگ کے دوران اور جنگ کے بعد کے چند واقعات کا جائزہ لیں جن سے ہمیں کئی سبق حاصل ہوں گے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ان پریشان کن حالات میں اللہ تعالی سے دعا فرمائی۔

''اے اللہ اگر آج تیرے ان مٹھی بھر نام لیواؤں کو شکست ہوگئی تو پھر قیامت تک دنیا میں تیرا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہے گا۔ اے میرے اللہ میں تجھی سے اور صرف تجھی سے مدد کا طالب ہوں۔ دستِ غیب سے ہماری مدد فرما''۔ سورۃ الانفال: 9-10

اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من

الملئکه مردفین oوماجعله اللّٰه الا بشری ولتطمن به قلوبکم وما النصر الا من عنداللّٰه ان اللّٰه عزیز حکیمo

(ترجمہ) جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کرلی (اور فرمایا) کہ (تسلی رکھو) ہم ہزار فرشتوں سے جوایک دوسرے کے پیچھے آتے جائیں گے تمہاری مدد کریں گے، اور اس مدد کوخدا نے محض بشارت بنایا تھا کہ تمہارے دل اس سے اطمینان حاصل کریں۔ اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ بیشک خدا غالب حکمت والا ہے۔

اللہ نے اپنے فرشتوں کے ذریعے مومنین کی امداد کا اعلان فرمایا۔ اور وہ اس لئے تاکہ مومنین کے دلوں کوسکون اور اطمینان حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یاد رکھو کہ یہ مدد فرشتے نہیں بلکہ میں خود کررہا ہوں۔ کیونکہ مدد تو صرف اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ فرشتے تو اس نے فقط مومنین کے اطمینان قلب کے لئے بھیجے تھے۔ اللہ نے فرشتوں کو کوئی کام کرنے کا حکم دیا۔ سورۃ الانفال:12

اذ یوحی ربك الی الملئکه ان معکم فثبتوا الذین امنوا سالقی فی قلوب الذین کفرو الرعب فاضربوافوق الاعناق واضربومنهم کل بنانo

(ترجمہ) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں کو ارشاد فرمایا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مومنوں کو تسلی دو کہ ثابت قدم رہیں۔ میں ابھی کافروں کے دلوں میں رعب وہیبت ڈالے دیتا ہوں، تم ان کے سر مار (کر) اُڑا دو۔ اور ان کا پور پور مار (کرتوڑ) دو۔

اس آیت سے واضح ہے کہ فرشتوں نے نہ صرف مومنوں کی حوصلہ افزائی کی اور ان کے قدم جمادئے۔ بلکہ خود بھی مسلمانوں کی طرف سے باقاعدہ جنگ میں حصہ لیا۔ ابوداؤد مزنیؓ اور سہیل بن حنیفؓ بیان فرماتے ہیں کہ ہماری تلواریں کافروں کی گردنوں تک پہونچنے بھی نہ پاتی تھیں کہ ان گردنیں کٹ کرجسم سے الگ ہوجایا کرتی تھیں۔ دراصل کافروں کی گردنیں فرشتے کاٹ رہے تھے۔ سورۃ الانفال:50

ولوتری اذ یتوفی الذین کفرو الملئکه یضربون وجوههم وادبرهم وذوقو عذاب الحریقo

(ترجمہ) اور کاش تم اس وقت (کی کیفیت) دیکھتے جب فرشتے کافروں کی جانیں نکال

رہے تھے اوران کے مونہوں اور پیٹھوں پر (کوڑے اورہتھوڑے وغیرہ) مارتے (تھے اور کہتے تھے) کہ (اب) جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو۔

اس آیت سے ہمیں معلوم ہوا کہ جب بھی فرشتے کسی کافر کی روح قبض کرتے ہیں تو وہ ان کافروں کو سزا کے طور پر ان کے منہ اور پشت پر آگ میں دہکا کر سرخ کی ہوئی لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں سے ان کو بری طرح مارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۵۱ میں فرماتا ہے "یہ ان کافروں کی بداعمالیوں کی سزا ہے جس کا وہ دنیا میں ارتکاب کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ بذات خود ان کافروں پر کوئی ظلم نہیں کرنا چاہتا"۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۱۴ میں فرماتا ہے "ابھی فی الحال اپنی بداعمالیوں کا مزہ چکھو، قیامت کے دن اس سے بڑی سزا تمہاری منتظر ہے"۔ یہ پڑھ کر ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ سکرات الموت کے وقت کافروں کو انتہائی دردناک تکلیف سے گزرنا پڑتا ہے۔ انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کے طور پر یہ سزا دی جاتی ہے۔ جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اس کے لئے ایسی ہی دردناک سزا ہے۔ جنگ بدر شروع ہونے سے پہلے بھی کئی معجزات رونما ہوئے۔ مثال کے طور پر جنگ سے پہلے اللہ کے رسول ﷺ نے ایک خواب دیکھا۔ سورۃ الانفال: 43

اذ یریکھم اللّٰہ فی منامك قلیلا ولو ارلکھم کثیرا لفشلتم ولتنزعتم فی الامر ولکن اللّٰہ سلم انه علیم بذات الصدورo

(ترجمہ) اس وقت خدا نے تمہیں خواب میں کافروں کو تھوڑی تعداد میں دکھایا۔ اور اگر بہت کر کے دکھاتا تو تم لوگ جی چھوڑ دیتے اور (جو) کام (درپیش تھا اس) میں تم جھگڑنے لگتے لیکن خدا نے (تمہیں اس سے) بچالیا، بیشک وہ سینوں کی باتوں تک سے واقف ہے۔

حالانکہ دشمنان اسلام کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے خواب میں اپنے رسول ﷺ کو یہ تعداد کم کر کے دکھائی، اگر اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو دشمنوں کی تعداد زیادہ بتاتا اور حضور ﷺ یہ بات اپنے صحابہ کرام کو بتا دیتے تو مسلمانوں میں شدید اختلاف ہو جاتا اور اختلاف ہر حالت میں نقصان دہ ہوتا ہے۔ خصوصاً میدان جنگ میں اور بھی زیادہ مضر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح معجزانہ طور پر مسلمانوں کو اختلاف سے بچالیا۔

اسی طرح جنگ کے دوران ایک معجزہ رونما ہوا۔ سورۃ الانفال: 44

واذ يريكموهم اذا لتقيتم فی اعينكم قليلا ويقللكم فی اعينهم ليقضی الله امر كان مفعولا والی الله ترجع الامورo

(ترجمہ) اور اس وقت جب تم ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو کافروں کو تمہاری نظروں میں تھوڑا کر کے دکھاتا تھا اور تم کو ان کی نگاہوں میں تھوڑا کر کے دکھاتا تھا تاکہ خدا کو جو کام کرنا منظور تھا اسے کر ڈالے، اور سب کاموں کا رجوع خدا ہی کی طرف ہے۔

مسلمانوں نے میدان جنگ میں اس معجزے کا مشاہدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کے دوران دشمن کی تعداد کم کر کے دکھائی، جس سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوئے۔ اور کافروں کی نگاہ میں مسلمانوں کی تعداد کم کر کے دکھانے میں اللہ تعالیٰ کی منشا یہ تھی کہ کافر مسلمانوں کو تعداد میں کم اور کمزور جان کر سامنے آئیں اور قتل کئے جائیں۔ اور اپنی سزا کا مزا چکھیں۔ دوران جنگ ایک اور دلچسپ واقعہ رونما ہوا۔

شیطان نے قبیلہ بنو بکر کے ایک طاقتور سردار سراقہ بن مالک کا بھیس بدلا اور کافروں کے ساتھ مل گیا اور یہ کہہ کر کافروں کی حوصلہ افزائی کرنے لگا کہ آج دنیا کا کوئی انسان تمہیں نقصان نہیں پہونچا سکتا، کیونکہ آج میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ جب شیطان نے مسلمانوں کی فوج دیکھی تو وہ یہ کہتا ہوا الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا کہ مجھے تم سے (کافروں سے) کچھ واسطہ نہیں ہے۔ سورۃ الانفال:48

واذ زين لهم الشيطن اعملهم وقال لاغالب لكم اليوم من الناس وانی جارلكم فلما تراب الفتان نكص علی عقبيه وقال انی بری منكم انی اری مالاترون انی اخاف الله والله شديد العقابo

(ترجمہ) اور جب شیطان نے ان کے اعمال ان کو آراستہ کر کے دکھائے اور کہا کہ آج کے دن لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہ ہوگا اور میں تمہارا رفیق ہوں (لیکن) جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل (صف آرا) ہوئیں تو پسپا ہو کر چل دیا اور کہنے لگا کہ مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں۔

میں تو ایسی چیزیں دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ مجھے تو خدا سے ڈر لگتا ہے۔ اور خدا سخت

عذاب دینے والا ہے۔

جنگ بدر میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔اللہ تعالیٰ فاتحین بدر کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔سورۃ الانفال:17

فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی ولیبلی المومنین منہ بلاء حسنا ان اللہ سمیع علیمo

(ترجمہ)تم لوگوں نے ان (کفار) کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے انہیں قتل کیا۔اور (اے محمدﷺ) جس وقت تم نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔ اس سے یہ غرض تھی کہ مومنوں کو اپنے (احسانوں) سے اچھی طرح آزمالے بیشک خدا سنتا جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسولﷺ اور صحابہؓ سے فرما رہا ہے کہ تم یہ خیال ہرگز نہ کرنا کہ یہ جنگ تم نے جیتی ہے۔فتح وکامرانی صرف اللہ کی طرف سے آتی ہے۔اللہ تعالیٰ ہم کو یہ یاددہانی بھی کروا رہا ہے کہ جب حضورﷺ نے کچھ مٹی اور کنکر اپنی مٹھی میں لیکر دشمنوں کی طرف پھینکے تو یہ مٹی اور کنکریاں ہوا کے زور سے طوفانی گردوبار میں تبدیل ہوگئی۔دشمنان اسلام کی آنکھوں میں پڑی اور وہ دشمن بدحواسی میں میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔یہ مٹھی بھر مٹی اللہ تعالیٰ کے حکم اور مدد سے طوفان میں تبدیل ہوئی۔پس جنگ میں فتح صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی مدد سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ مجاہدین کی ذاتی صلاحیتوں سے۔سوچیئے اس کامیابی پر رسول اکرمﷺ بھی فخر نہیں کر سکتے۔

جنگ ختم ہوتے ہی مسلم فوج تین گروہوں میں بٹ گئی ایک گروہ وہ جس نے بھاگتے ہوئے دشمن کا دور تک پیچھا کیا۔دوسرا گروہ میدان جنگ میں چھوڑے ہوئے مال غنیمت کو جمع کرنے میں لگ گیا اور تیسرا گروہ جس نے حفاظت کی خاطر حضورﷺ کے چاروں طرف حصار بنالیا تھا،تا کہ خدانخواستہ کہیں چھپا ہوا کوئی دشمن حضورﷺ پر وار نہ کر سکے۔

جب سب لوگ شام کو ایک جگہ جمع ہوئے تو دن میں جمع کئے گئے دشمن کے مال غنیمت کے بٹوارے کا پیچیدہ سوال اٹھ کھڑا ہوا۔جن لوگوں نے یہ مال جمع کیا تھا ان کا دعوی تھا کہ اس سارے مال پر صرف ان کا حق ہے۔کیونکہ یہ سب انہوں نے بڑی محنت سے جمع کیا ہے۔دوسرے گروہ

والوں کا کہنا تھا کہ اس مال پر ان کا بھی حق ہے، کیونکہ اگر وہ دشمن کا پیچھا کر کے اسے نہ بھگاتے تو ان لوگوں کو مال جمع کرنے کا موقع نہ مل سکتا۔ تیسرے گروہ کا کہنا یہ تھا کہ چونکہ وہ سب سے اہم فرض انجام دے رہے تھے یعنی اللہ کے نبی ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے اس لئے اس مال پر ہمارا بھی حق بنتا ہے۔ عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ پر نوبت یہاں تک پہونچی کہ سب مجاہدین میں اَن بن پیدا ہوگئی کیونکہ ابھی تک مالِ غنیمت کے بارے میں کوئی ہدایت نازل نہیں ہوئی تھی۔ گذشتہ امتوں کے لوگوں کو آپس میں مالِ غنیمت تقسیم کرنے کا حق نہیں تھا۔ وہ لوگ تمام مالِ غنیمت ایک جگہ ڈھیر کر دیتے تھے اور اگر اس پر بجلی گر کر اسے خاک کر دیتی تو گویا اس بات کا اشارہ تھا کہ انکا جہاد قبول کر لیا گیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفال میں مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں اپنے رسول کو واضح ہدایت فرمائی۔ جیسے ہی ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ مالِ غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ اللہ تعالیٰ نے خود حل فرما دیا ہے۔ تو یہ سب لوگ آپس میں تمام اختلافات فراموش کر کے پھر ایک بار شیر و شکر ہو گئے۔ حکمِ الٰہی کے مطابق تمام مال سب مجاہدین میں برابر تقسیم کر دیا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی تھی اس نے اُمتِ محمدی کو مالِ غنیمت استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔ اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے تھے۔ غیر مسلم مورخین کے نزدیک جنگِ بدر پوری دنیائے انسانیت کی سب سے اہم جنگ ہے۔ اس ایک جنگ کے اثرات نے پوری دنیا کو متاثر کیا ہے۔ اس سے اسلامی ریاست کو تقویت اور فروغ ملا اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے کفار کو شکست فاش ہوئی۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ جنگِ بدر کے دوران کتنے معجزے رونما ہوئے اور کس طرح اللہ کے سچے اور مخلص بندوں کو اللہ تعالیٰ کی تائید اور امداد حاصل ہوئی کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم بھی حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر گامزن ہوں تاکہ ہمیں بھی مشکل حالات میں تائید اور امدادِ غیبی حاصل ہو سکے۔ (آمین ثم آمین)

قند مکرر

روزے روز روز نہیں آتے

(قبلہ محمدصدیق ڈار)

جب تک زندگی کا مقصود اور اسلام کی حقیقت معلوم نہ ہوتقویٰ کی اہمیت سمجھ میں آ سکتی ہے نہ ہی رمضان المبارک کی۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی محبت اور بندگی کے لئے پیدا فرمایا۔

حیات ارضی کے دوران اس کی حقیقی کامیابی کا دارومدار اس امر پر ہے کہ وہ بھرپور دنیوی زندگی بسر کرتے ہوئے دنیا اور متاع حیات کی محبت میں نہ پھنسے بلکہ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرے اور دنیا کے مقابلے میں آخرت کی زندگی کو ترجیح دے۔دین اسلام کی فرض عبادات کا مقصود اہل ایمان میں یہی جذبہ پیدا کرنا اور اسے ترقی دے کر کمال تک پہنچانا ہے۔یہی تقویٰ کی حقیقی روح ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے دنیا و مافیہا کی محبت اور نفس کی ہوا وہوس سے بچتا ہوا اللہ کی محبت کو بڑھاتا چلا جائے اور مرتبہ احسان تک پہنچ کر اس کے مقربین کے زمرہ میں شامل ہوجائے۔یہ تقویٰ ہی کا کمال ہے جو مومن کو متاع غرور سے بے نیاز کر کے ایمان کی معراج تک پہنچا دیتا ہے۔حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ سب برائیوں کی جڑ دنیا کی محبت ہے۔اسی طرح اللہ کی محبت تمام نیکیوں اور خوبیوں کا منبع ہے۔قرآن کریم میں اہل ایمان کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کرتے ہیں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ آخرت ان متقین کے لئے ہے جو دنیا میں ظلم وستم اور جبر کے ذریعے بڑائی کے خواہاں نہیں ہوتے بلکہ اس کے عاجز بندے اور اس کی مخلوق کے بے لوث خادم بن کر زندہ رہتے ہیں۔قرآن کریم میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ آخرت کی کامیابی متقین کے لئے ہے اور اپنے پروردگار کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو جو متقین کے لئے تیار کی گئی ہے اور اللہ متقین سے محبت کرتا ہے۔اہل تقویٰ کی شان کے برعکس یہ خبر بھی دی گئی ہے کہ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے وہ لوگ ہونگے جنہوں نے اپنی تمام صلاحیتیں صرف دنیا کے حصول میں صرف کر ڈالیں یعنی تقویٰ کی راہ اختیار ہی نہ کی۔اہل ایمان کو بھی یہ حکم دیا گیا کہ مال واولاد کی محبت تمہیں اللہ کے ذکر سے

غافل نہ کر دے۔ جو بھی ایسا کریں گے وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

قرآن کریم کے شروع میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اس کتاب سے رہنمائی اور ہدایت انہی لوگوں کو عطا ہوگی جو تقویٰ والی زندگی بسر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے قرب کے حصول کے خواہاں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام نعمتیں انسان کے لئے ہی پیدا فرمائی ہیں تا کہ وہ انہیں کام میں لائے اور اپنے رب کے احسانات تسلیم کر کے اس کی شکر گزاری کا رویہ اپنائے اور اس کی محبت میں پھنس کر اللہ کو نہ بھولے۔ حضرت عمرؓ کے پوچھنے پر ایک صحابی نے تقویٰ کی صفت کے اظہار کے لئے ایک نہایت بلیغ مثال بیان فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ جس طرح خاردار جھاڑیوں کے درمیان واقع کسی راستہ پر چلتے ہوئے انسان اپنی چادر کو سمیٹ کر چلتا ہے کہ مبادا کانٹوں میں اُلجھ جانے سے چادر بھی پھٹ جائے اور وقت بھی ضائع ہو۔ یہی تقویٰ کی مثال ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ انسان نے اللہ تعالیٰ کی محبت کی خلعت اوڑھ کر ایک بھاری امانت قبول کر لی جس کے اٹھانے سے زمین، آسمان اور پہاڑ عاجز آ گئے تھے۔ اب کامیاب انسان وہی ٹھہرے گا جو اس خارزارِ حیات میں اللہ کی محبت کی چادر کو صحیح و سالم اور بے داغ لے کر گذر جائے۔ یہ کٹھن منزل صرف تقویٰ کے بل بوتے پر طے کی جا سکتی ہے۔ اب آپ غور فرمائیں کہ رمضان المبارک کے روزوں کی غرض و غایت ہی یہ بتائی گئی ہے کہ اس سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے اہل ایمان گذشتہ امتوں کی طرح تم پر بھی روزے لکھ دیئے گئے ہیں تا کہ تم تقویٰ حاصل کر سکو۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ تقویٰ کے حصول کے لئے روزہ ہی بہترین، لازمی اور یقینی ذریعہ ہے اور اسی وجہ سے ہر دور کے انسانوں کی تربیت کے لئے اسے فرض قرار دیا گیا۔

تقویٰ کے دو جزو ہیں پہلا ماسواء اللہ کے کانٹوں سے اپنا دامن بچانا اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی محبت کی راہ میں آگے بڑھتے چلے جانا ہے۔ تقویٰ کی تقویت کے لئے سالانہ روزوں کے تربیتی کورس میں ان دونوں پہلوؤں کو پوری اہمیت دی گئی ہے۔ ایک طرف پورا دن بھوکا پیاسا رکھنے کا اہتمام ہے تا کہ اہل ایمان کھانے، پینے اور جنسی جبلتوں کو ترک کر کے یہ ثابت کر دیں کہ ہم

اپنے محبوب حقیقی کی رضا کے لئے سب کچھ قربان کر سکتے ہیں۔ان حلال چیزوں سے اپنے نفس کو روکنے کی مشق سے غرض و غایت یہ ہے کہ تقویٰ کا وہ ملکہ حاصل کیا جائے جس کی مدد سے ہر اس چیز سے بچا جا سکے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو۔حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جسم کے تمام اعضاء کا روزہ ہے اور جس نے جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے سے کوئی غرض نہیں۔آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جنہیں بھوک اور پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔گویا ماکولات و مشروبات سے رکنے کی مشق کا اصل مقصد اپنے سرکش نفس کو لگام ڈالنا اور منکرات سے باز رہنا ہے۔یہی امر صوم یعنی روزے کی بنیادی حقیقت ہے کیونکہ صوم کے لفظی معنی کسی چیز سے باز رہنا یا رک جانا ہے۔دوسری عبادات میں کچھ کام کرنے کے ہوتے ہیں لیکن روزے میں ان کے برعکس اپنے آپ کو چند کاموں سے روک کر رکھنا ہوتا ہے۔یہ سیلف کنٹرول یعنی ضبطِ نفس کی تربیت کا انتظام کیا گیا ہے۔

ماہ رمضان کے روزوں کے اس پہلو کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کو فروغ دینے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے نماز تراویح،نوافل،مالی صدقات اور قرآن کریم کی کثرت کے ساتھ تلاوت کا حکم دیا گیا ہے۔سحری کے وقت بیدار ہو کر نماز تہجد کی خصوصی برکات حاصل کرنے کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں تمام دنیوی سرگرمیاں قطع کر کے اللہ کے گھروں میں معتکف ہو جانے کی بھی ترغیب دی گئی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سمیٹ لی جائے۔دین اسلام کے اس سالانہ روحانی تربیتی نظام سے اگر کما حقہ استفادہ کیا جائے تو دوسرے کسی چلے اور مجاہدے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

قرآن کریم کے نزول والے مہینہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیشہ کے لئے خصوصی برکتوں اور رحمتوں کے نزول کا مہینہ بنا دیا ہے۔اس ماہ کی نفلی عبادت سے فرضوں کی ادائیگی کا ثواب ملتا ہے اور فرائض کا اجر ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔اس ماہ کے دوران ابلیس اور اس کے کارندوں کو قید کر لیا جاتا ہے۔اس کا ظاہری ثبوت تو اس ماہ مبارک میں اہل ایمان کی جوش و خروش کے ساتھ صوم و صلوٰۃ کی پابندی ہے۔ہمیں چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت سے ملی ہوئی اس

روحانی سہولت سے حقیقی فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی کوتاہیاں اور خامیاں دور کرلیں تا کہ اللہ کا مزید قرب حاصل کرسکیں ۔اگر ہم سچے دل سے سدھرنے کا ارادہ کرلیں تو اس ماہ کی برکت سے باہر سے کوئی شیطانی طاقت ہماری راہ میں رکاوٹ نہیں ڈالے گی ۔لیکن اگر ہمارا اپنا ارادہ ہی یہ ہو کہ ایک ماہ کی بھوک پیاس کی مشقت کے بعد عید کے روز اپنی گذشتہ روش کی طرف لوٹ جانا ہے پھر تو معاملہ کی نوعیت ہی مختلف ہوگئی ۔اللہ تعالیٰ انہی کی مدد فرماتے ہیں جو اپنی مدد آپ کرنے کی ہمت کرتے ہیں ۔وہ ہماری حالت کو صرف اسی صورت میں بدلتے ہیں جب ہم خود اپنے نفسوں کو بدلنے کے لئے کمربستہ ہوجائیں ۔

اگر ہمیں اللہ کی محبت کی فکر ہو میدان حشر میں اس کے سامنے پیشی کی فکر ہو ۔اسکی رضا و رحمت اور جنت کی سچی طلب ہو تو سب مہینوں کا یہ سردار مہینہ اللہ تعالیٰ کی ایک بیش بہا نعمت ہے ۔

جو رحمتیں رمضان شریف میں نازل ہوتی ہیں وہ دوسرے مہینوں میں بھلا کہاں نصیب ہوسکتی ہیں ۔رمضان المبارک کے روزوں کی برکتوں کا مقابلہ پورے سال کے روزے بھی نہیں کر سکتے ۔ایسے روزے روز روز نہیں آتے یہ مہینہ اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت طلب کرنے اور عفوو در گزر کے لئے التجائیں کرنے کا ہے ۔اس لئے ہمیں چاہیئے کہ پوری ہمت صرف کردیں ۔قلت طعام ومنام کی مشق کے ساتھ ساتھ کثرت ذکر، کثرت تلاوت قرآن، کثرت درود شریف، کثرت صدقات اور صلوٰۃ تراویح ونوافل سے روحانی ترقی کے نادر مواقع سے بھرپور فائدہ اٹھائیں تا کہ ہمارا نفس سرکشی کی روش ترک کردے اور ہمارے اندر صراط مستقیم پر چلنے، اخلاق کا تزکیہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا جذبہ اس قدر قوی اور بلند ہوجائے کہ سال بھر کے لئے کافی ہوجائے ۔ہر کورس اور تربیتی مشق کا اصل ہدف انسانوں کی سوچ اور ان کے کردار میں تبدیلی لانا ہوتا ہے ۔ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم عید کے دن اپنے قلب ونفس کا جائزہ لیں کہ کیا واقعی ہمارے اندر تقویٰ کی مطلوبہ قوت پیدا ہوگئی ہے ۔اگر جواب اثبات میں ہو تو اس بات پر اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے کیونکہ مہینہ بھر کی محنت کا یہ ثمر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہے ۔یہی اصل عید اور عید کا حقیقی پیغام ہے کہ ماہ شوال کا چاند ہمیں ایک بدلا ہوا انسان پائے ۔

ماؤں کی طرح!

(حافظ سعید فاروقی)

جو ماں کی شفقت سے محروم ہو، دردر کی ٹھوکریں اس کا مقدر بنتی ہیں۔ بے بس قوم کو آج ایسے لیڈر کی ضرورت ہے جو ماؤں کی طرح سوچے۔

اللہ اور ماں کا بھی رشتہ عجیب رشتہ ہے۔ اللہ جب اپنی رحمت کی گارنٹی دیتا ہے تو وہ فوراً فرماتا ہے میں ستر ماؤں سے زیادہ رحیم ہوں۔ ادھر جب ماں بھی بچے کو دکھی، مایوس اور غم زدہ پاتی ہے تو وہ بھی اسے صرف اللہ سے رابطہ کرنے اور صرف اللہ سے مانگنے کی ہدایت کرتی ہے۔ اس دنیا میں شاید ہی کوئی ماں ہو جس کے منہ سے کبھی نکلا ہو کہ جس زمین پر اس کے بچے رہتے ہیں، وہ تباہ ہو جائے گی۔ وہ ملک فنا ہو جائے گا یا وہ مکان گر جائے گا۔ آپ کسی ماں کے سامنے تذکرہ کر کے دیکھ لیں وہ فوراً جھولی پھیلا کر اس جگہ، اس مقام، اس شہر، اس ملک کے لئے خیر کی دعا کرے گی جہاں اس کے بچے رہتے ہیں۔ ایک ماں جس کی چادر میں سو پیوند ہوں، جس کے سر پر چھت اور پاؤں میں جوتا نہ ہو، وہ بھی اپنے بچے کے لئے محل کے خواب دیکھتی ہے۔ ایک ماں جس کا بچہ پیدائشی معذور ہو، جس کے بچے کے پاس پہننے کے لئے کرتا اور ستر ڈھانپنے کے لئے پائجامہ نہ ہو، وہ بھی اپنے بچے کو بادشاہ بننے کی دعا دیتی ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے ڈاکٹر ماؤں کو اپنے کینسر کے مارے بچوں کو تعویز پلاتے دیکھا ہے۔ مجھے ابھی تک کینسر کی وہ سپیشلسٹ ڈاکٹر یاد ہے جس کے بچے کو بلڈ کینسر ہوا تو وہ اسے سنیاسی کے پاس لے گئی جو تین سال تک اس ڈاکٹر سے بلغم کی دوا لیتا رہا تھا۔ یہ کیا ہے؟ یہ ماں کا یقین ہے۔ ماں کی امید ہے۔ ایک ایسی امید، ایک ایسا یقین جو اسے مایوس نہیں ہونے دیتا۔ جو اسے سمجھاتا رہتا ہے کہ قدرت کے دامن میں اربوں کھربوں معجزے ہیں، قدرت چاہے تو مردے اٹھ کر بیٹھ جائیں۔

مایوسی اور بدنصیبی تو صرف ہم مردوں کے حصے آئی ہے۔ ایسے مردوں کے حصے جو دن رات

اس ملک کے تباہ ہونے، برباد ہونے کی پیشین گوئیاں کرتے رہتے ہیں۔جو اس ملک سے پوری طرح مایوس ہو چکے ہیں۔جو ہمت ہار چکے ہیں۔جو جگہ جگہ کہتے پھرتے ہیں، جو موقع بہ موقع فرماتے رہتے ہیں، یہ ملک نہیں چل سکتا۔اس ملک کا خدا ہی محافظ ہے اور اس ملک سے بھاگ چلو وغیرہ وغیرہ۔یقین کیجئے ملکوں کو مائیں بچایا کرتی ہیں جو ہر حال میں پرامید رہتی ہیں جو اپنے بچوں کے کل کے لئے جیتی، پالتی اور ان کی تربیت کرتی ہیں۔

آیئے آج سے ہم بھی ماؤں کی طرح سوچیں۔ان ماؤں کی طرح جو اپنی منوانے پر آجائیں تو قدرت سے منوا کر ہی دم لیتی ہیں۔

آیئے آج سے ہم وعدہ کریں ہم جب بھی اس ملک کے بارے میں سوچیں گے ماں کی طرح سوچیں گے۔ (منقول ماہنامہ علم وآگہی)

شرمندہ قوم

(اوریا مقبول جان)

ایسا ہی ایک دربار تھا، اسی طرح فردِ واحد کی حکومت تھی جو انکار کرتا اسے عتاب اور ظلم کا نشانہ بنایا جاتا۔اس پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جاتا۔بادشاہ کے نزدیک دین کی اپنی ایک توجیہہ تھی۔ بڑے بڑے علماء، محدثین اور صاحبانِ فکر کو ایسے ہی چپ کرا دیا جاتا تھا کہ میں تو مسلمان ہوں۔تم سے زیادہ مجھے عزت و تکریم حاصل ہے۔میں حرم میں داخل ہوتا ہوں تو سارے دروازے کھل جاتے ہیں۔میں اپنے جدِ امجد کے بھتیجے سید الانبیاء ﷺ کے دربار پر تزک احتشام سے بلایا جاتا ہوں۔میں اور ان کی نسل و خانوادہ ایک ہیں۔تم میں کوئی عجمی ہے تو کوئی عام سا عربی۔اس دور میں فقہاء، محدثین اور علماء نے دین میں ایک لفظ پر بہت زور دیا اور وہ تھا ''رخصت'' یعنی جب حالات اجازت نہ دیں کہ دین کی کسی نص پر قائم رہا جائے تو باقی دین قائم رکھنے کے لئے اقرار کر کے چھوٹ لے لی جائے۔اسی دور میں جب علماء کی زبانیں گنگ تھیں، اللہ نے ایک شخص کو دین کی ایک صفت ''عزیمت'' کی توفیق عطا فرمائی۔بادشاہ تھا معتصم باللہ اور صاحبِ عزیمت

تھے۔احمد بن حنبلؒ ان کی مشکیں اس زور سے کس دی گئیں کہ ہاتھ بازو سے اکھڑ گئے، جس پر ستر کوڑوں ضربیں لگائی گئیں۔چار چار بوجھل بیڑیاں پاؤں میں،کوڑے اتنے شدید تھے کہ دو ضربیں لگا کر جلاد پیچھے ہٹ جاتا اور تازہ دم جلاد آتا۔اس حالت میں کہا گیا کہ بغیر کسی مدد کے اونٹ پر سوار ہوں تا کہ طرطوس کے قید خانے لے جایا جائے۔قید خانے میں علماء کی ایک جماعت ملنے گئی اور رسول اللہ ﷺ سے مروی حدیث سنا کر جان کے خوف میں چپ رہنے کی اجازت بتائی تو فوراً سوال کیا کہ تمہارا اس حدیث کی بابت کیا خیال ہے؟ کہ جب صحابہ نے مظالم کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلے ایسے لوگ بھی تھے جن کے سروں پر آرا چلایا جاتا تھا اور جسم لکڑی کی طرح چیر دیا جاتا تھا لیکن وہ حق سے پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔یہ علماء دربار میں موجود تھے جب کوڑے لگانے کا حکم صادر ہوا،چند نے کہا تمہارے ساتھیوں نے ایسی ہٹ دھرمی نہیں دکھائی۔آپؒ کا جواب تھا مجھے اس کا جواز اللہ کی کتاب اور رسول ﷺ کی سنت سے نکال دو۔جسم خون سے رنگین ہو گیا۔رمضان کا مہینہ تھا۔ہوش آنے پر پانی لایا گیا تو کہا میں روزے سے ہوں۔وہاں سے نکلے تو ابن سماعہ کی امامت میں نماز ادا کی۔نماز کے بعد کسی نے سوال کیا خون جاری ہے،طہارت کہاں سے آئی؟ جواب دیا سیدنا عمرؓ نماز پڑھا رہے تھے تو قاتل نے حملہ کیا مگر خون کے ساتھ نماز کی امامت کی۔سوال کرنے والے کو اندازہ ہی نہیں تھا اس سے مقدس خون اور کیا ہو سکتا ہے۔

اسلام کی تاریخ رخصت اور عزیمت کے کرداروں سے بھری پڑی ہے اور تاریخ اس بات پر بھی شاہد ہے کہ اس نے زندہ صرف اس کا نام رکھا،اس کے کام کو پذیرائی دی،انہیں کو عزت و تکریم سے نوازا جو عزیمت کے علمبردار تھے۔ورنہ اس دور کے علماء کے نام گرد آلود تذکروں میں ڈھونڈنے سے بھی مشکل سے ملتے ہیں اور ایک یہ ہے عزیمت کے علمبردار کہ دنیا کے جس کونے میں مسلمان ہیں وہاں ان کا نام زندہ و تابندہ ہے۔

رخصت اور عزیمت کا یہ باب مجھے اس وقت بہت یاد آتا ہے جب میں لاکھوں کے مجمعے کو مسواکیں تیز کرتے، عمامہ اور شلواریں درست کرتے، جوق در جوق سجدہ ریز ہوکر دعائیں کرتے دیکھتا ہوں۔ یہ لوگ خواص کو اپنے درمیان پاکر بہت خوش ہوتے ہیں، اسے اپنی نصرت قرار دیتے ہیں۔ مجھے یہ صاحبان عزیمت اس لمحے بہت یاد آتے ہیں جب سرکاری سطح پر کوئی علماء مشائخ کی کانفرنس ہوتی ہے، یہ تاریخ ساز لوگ اس موقع پر بھی شدت سے یاد آئے جب لاکھوں کا دھکے کھاتا ہجوم امام کعبہ کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب تھا۔

احمد بن حنبلؒ اکثر کہا کرتے تھے کہ خدا ابن الہیشم پر رحم کرے۔ بیٹے نے پوچھا کون ہے یہ شخص۔ کہا جب مجھ پر کوڑے برسائے جارہے تھے تو یہ دشمن عین بازار میں میرے قریب آیا۔ کہا میں ابن الہیشم ہوں۔ اس بغداد کا سب سے بڑا چور ہوں۔ 80 مرتبہ گرفتار ہوا۔ اتنے کوڑے لگے کہ کوئی جسم کا حصہ زخم سے خالی نہیں ہے۔ لیکن جب رہا ہوا سیدھا چوری کرنے نکلا۔ دیکھو میں چوری میں اتنا ثابت قدم ہوں، کہیں کل اللہ تم سے یہ سوال نہ کرے کہ تم میری راہ میں ایک چور ابن الہیشم جتنے بھی ثابت قدم نہ رہ سکے؟

کیا یہ سوال میرے آج کے علماء، فقہا، صوفیاء اور خانقاہ نشینوں سے نہیں پوچھا جائے گا۔ کیا آج کا دور معتصم باللہ اور اکبر و جہانگیر سے زیادہ معزز و محترم ہوگیا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر لاکھوں کے ہجوم اور لوگوں سے بھرے پنڈال کے سامنے آکر اگر کوئی ابن الہیشم کھڑا ہوگیا اور کہا میں بدمعاش ہوں، قاتل ہوں، چور ہوں لیکن ثابت قدم ہوں۔ مطلق العنان بادشاہ کی نہیں مانتا۔ تو کتنے اس مجمعے میں اٹھ کر کہیں گے کہ ہم تم سے زیادہ ثابت قدم بننا چاہتے ہیں۔ ہم اللہ کے حضور شرمندگی سے بچنا چاہتے ہیں لیکن محسوس یوں ہوتا ہے کہ ہم من حیث القوم شرم اور شرمندگی کے لفظ اور مفہوم سے بے بہرہ ہوچکے ہیں۔ (ماہنامہ علم و آگہی)

زندگی ایک خاموش سبق

(مولانا محمد یوسف اصلاحی)

آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ آپ کی ذات سے دنیا میں کیا پھیل رہا ہے اور لوگ آپ سے کیا سیکھ رہے ہیں۔۔۔برائی یا بھلائی؟ یہ ایک حقیقت ہے کہ آدمی خواہ کسی حیثیت کا ہو اور علم و مرتبے کے لحاظ سے کسی بھی مقام پر ہو، اس کی ذات سے یا برائی پھیلتی ہے یا بھلائی۔اس کو دیکھ کر یا تو لوگوں میں نیکی اور بھلائی کے جذبات اٹھتے ہیں یا برے کاموں کی رغبت ہوتی ہے۔ہر آدمی کے تعلقات اور اثرات کا ایک دائرہ ہوتا ہے۔کچھ لوگ اس کے رشتہ دار ہوتے ہیں، کچھ دوست، احباب ہوتے ہیں۔کچھ لوگوں کا وہ ماتحت ہوتا ہے، کچھ لوگ اس کے ماتحت ہوتے ہیں۔کچھ لوگ اس کو بڑا مانتے ہیں، کچھ لوگ اس کے بڑے ہوتے ہیں۔کچھ لوگ اس کے پڑوس میں بستے ہیں، کچھ شریک کار ہوتے ہیں۔اور یہ سب ہی لوگ اس کی زندگی سے اچھا یا برا کچھ نہ کچھ اثر ضرور لیتے ہیں۔وہ چاہے یا نہ چاہے، اس کی زندگی، اس کے شب و روز کا عمل، اور اس کا رویہ لوگوں پر اثر ڈالتا ہے اور لوگ اس سے اچھا یا برا اثر قبول کرتے ہیں۔

سوچئے آپ بھی اس طرح کے بہت سے رشتوں میں بندھے ہوئے ہیں، بہت سے لوگوں سے آپ کے بھی تعلقات ہیں، اور فطری طور پر آپ کے اثرات کا بھی ایک دائرہ ہے۔۔۔آپ سے کونا گوں تعلق رکھنے والے یہ سب لوگ آپ سے کیا سیکھ رہے ہیں؟ اور آپ کی زندگی ان پر کیا اچھا یا برا اثر ڈال رہی ہے؟ آپ کی بات چیت، افکار و خیالات، مشغلے، دلچسپیاں، دوڑ دھوپ، حوصلے، ارادے، تمنائیں، آپ کا سلوک، آپ کا رویہ، غرض بحیثیت مجموعی آپ کی زندگی لوگوں کو کچھ نہ کچھ دیتی ہے، اور آپ کو محسوس ہو یا نہ ہو وہ لوگوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔۔۔آپ کی زندگی ایک خاموش سبق ہے جو ہر وقت پڑھا جا رہا ہے، یاد کیا جا رہا ہے اور اپنے وقت پر دہرایا جائے گا۔

یہ حقیقت تو سورج سے زیادہ روشن ہے کہ اچھائی ہو یا برائی اس کا ایک لازمی انجام ہے۔ جس طرح یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ گردن کٹ کر الگ گر جائے اور آدمی نہ مرے ٹھیک اسی طرح

یہ نہیں سوچا جا سکتا کہ ایک برائی کی جائے اور اس کا برا انجام سامنے نہ آئے۔یا کوئی نیکی کی جائے اور اس کا نیک انجام نہ ہو۔۔۔زمین کے سینے پر جہاں کہیں کوئی برائی یا بھلائی ہو رہی ہے، زمین و آسمان کی فضا اس کا انجام محفوظ کر رہی ہے اور آدمی چاہے یا نہ چاہے، یہ انجام لازماً اس کے سامنے آئے گا۔نہ اس انجام سے بچ کر کوئی شخص زمین و آسمان کے اس دائرے سے کہیں بھاگ سکتا ہے اور نہ اس انجام کو سامنے آنے سے کوئی چیز روک سکتی ہے۔

فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره٥ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره٥ (الزلزال۹۹: ۷۔۸)

پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔

پھر بات صرف اتنی نہیں ہے کہ آپ صرف اسی نیکی یا بدی کا انجام دیکھیں گے جو آپ نے خود اپنے ہاتھوں کی ہوگی۔بلکہ آپ کی ذات سے جو برائی بھی پھیلی ہے اور آپ سے متاثر ہو کر جن جن لوگوں نے بھی کوئی برائی کی ہے اور کرتے رہیں گے، ان سب کی ذمہ داری میں بھی شریک ہیں، اس برائی میں مبتلا ہونے والے تو اپنی برائی کی سزا پائیں گے ہی، لیکن ان سب کے برابر سزا آپ کو بھی بھگتنا ہوگی کیونکہ آپ اس برائی کے محرک بنے اور آپ نے اپنے قول و عمل سے اسے جنم دے کر لوگوں تک منتقل کیا۔۔۔اسی طرح اگر آپ کی ذات سے کوئی بھلائی پھیلی ہے اور آپ سے متاثر ہو کر لوگوں نے اسے قبول کیا ہے اور دوسروں تک پہنچایا ہے تو یہ لوگ اپنی نیکی کا بدلہ پائیں گے ہی، آپ بھی ان سب کے برابر اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے کیونکہ آپ کی ہی ذات سے وہ نیکی پھیلی ہے اور آپ ہی نے لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا ہے، اس اصولی حقیقت کو نبی ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

من دعا الى هدى كان له من الاجر مثل اجورمن تبعه لاينقص ذالك من اجورهم شيئا ومن دعا الى ضلالته كان عليه من الاثم مثل اثام من تبعه لا ينقص ذالك من اثامهم شيئا٥

(مسلم عن ابی ہریرہؓ)

جس کسی نے بھی لوگوں کو کسی نیکی کی طرف بلایا تو ایسے شخص کو ان تمام لوگوں کے برابر اجر و ثواب ملے گا جو اس نیکی پر عمل کریں گے اور اس سے نیکی پر عمل کرنے والوں کے اجر و

ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی اور جس کسی نے لوگوں کو کسی برائی اور گمراہی کی طرف بلایا تو اس آدمی کو ان تمام لوگوں کے برابر سزا دی جائے گی جو اس برائی میں مبتلا ہوں گے اور اس سے برائی کرنے والوں کی سزا میں کوئی تخفیف نہ ہوگی۔

حدیث میں ''ھدیٰ'' کا لفظ اسم عام ہے، یعنی کوئی بھی چھوٹی یا بڑی اچھی بات یا نیک کام۔ اسی طرح ''من'' کا لفظ بھی عام ہے، کرنے والا خواہ کوئی ہو، کسی حیثیت اور کسی مرتبے کا شخص ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جو بھی شخص کسی کو کوئی نیکی کی بات بتادے یا اپنی حرکت و عمل سے کسی بھی نیک کام کی طرف متوجہ کردے تو رہتی دنیا تک جو جو لوگ بھی اس نیکی پر عمل کریں گے ان سب کے اجر و ثواب کے برابر اس شخص کو اجر و ثواب دیا جائے گا جس نے سب سے پہلے اس نیکی اور بھلائی کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا، اور داعی اول کے اس زبردست اور بے پایاں اجر سے ان لوگوں کے اجر و ثواب میں قطعاً کوئی کمی نہ ہوگی جو اپنے اپنے وقت میں اس نیکی پر عمل کریں گے۔ اسی طرح اگر کسی نے اپنے قول و عمل سے برائی کی طرف لوگوں کو رغبت دلائی ہے تو قیامت تک جو لوگ بھی اس برائی میں مبتلا ہوں گے، ان سب کی سزا کے برابر اس شخص کی سزا ہوگی جس نے سب سے پہلے اس برائی کی طرف لوگوں کو بلایا، اور اس داعی اول کی زبردست سزا سے ان لوگوں کی سزا میں ہرگز کمی نہ ہوگی جو اپنے اپنے وقت میں اس گناہ کا ارتکاب کریں گے اور اس گمراہی میں مبتلا ہوں گے۔ یہ حدیث ایک مومن کو جھنجھوڑتی ہے کہ وہ ہر وقت چوکنا رہے اور غفلت کی زندگی نہ گزارے۔ اپنی بات چیت، اخلاق و اعمال اور مشغولیتوں پر نگاہ رکھے اور ہر وقت یہ سوچتا اور جانچتا رہے کہ اس کے قول و عمل اور سرگرمیوں سے لوگ کیا سیکھ رہے ہیں، اس کی ذات سے کیا پھیل رہا ہے، اس کی کتاب زندگی لوگوں کو کیا سبق دے رہی ہے۔ اور اس کو دیکھ کر لوگ برائیوں اور گناہوں کی طرف لپک رہے ہیں، یا بھلائیوں کی طرف۔ اگر کوئی ایک برائی بھی خدانخواستہ اس کی ذات سے پھیلتی ہے تو اس حدیث کی روشنی میں اس کی سزا بڑھتے بڑھتے اتنی ہوسکتی ہے کہ سارا اعمال نامہ سیاہ ہوجائے اور اسی طرح اگر اس کی ذات سے کوئی ایک نیکی پھیلتی ہے تو اس کا اجر و انعام بڑھتے بڑھتے اتنا ہوسکتا ہے کہ اس کا پورا اعمال نامہ روشن ہوجائے۔

ایک مومن کی انتہائی تمنا اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس کی زندگی سے نیکی کی روشنی پھیلے۔ قرآن حکیم میں مومنین کی ایک دعا نقل کی گئی ہے،

واجعلنا للمتقین اماما، (الفرقان ۲۵:۷۴)

اور اے پروردگار ہمیں نیک لوگوں کا امام بنا۔ زندگی کے جس معاملے میں جو شخص امام وپیشوا بنتا ہے، وہ اپنے پیچھے والوں کے لیے نمونہ ہوتا ہے، نماز میں جس شخص کو آپ اپنا امام بناتے ہیں جب تک نماز میں ہوتے ہیں، وہ آپ کے لیے نمونہ ہوتا ہے، جو کچھ وہ کرتا ہے وہی آپ کرتے ہیں۔ جب وہ کھڑا ہوتا ہے آپ بھی کھڑے ہوجاتے ہیں، جب وہ جھکتا ہے آپ بھی جھک جاتے ہیں، جب وہ سجدے میں جاتا ہے آپ بھی سجدے میں گر پڑتے ہیں، غرض آپ ہر حرکت میں اسی کو اپنے سامنے رکھتے ہیں اور کوئی حرکت اس کے خلاف نہیں کرتے۔ مومنین کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ، ہمیں نیک کاموں کی توفیق دے، اور ایسا نیک بنا دے کہ ہم نیک لوگوں کیلیے نمونہ ہوں، ہمیں دیکھ کر وہ نیکی اختیار کریں اور نیکی کی طرف لپکیں، ہم بدکاروں اور نافرمانوں کے لیے نمونہ نہ ہوں، زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی نیکی اور بھلائی کے لیے ہماری ذات مثال رہے، ہم نیک کاموں سے یاد کیے جائیں اور ہماری ذات سے ایسی نیکیاں پھیلیں کہ ہم نیک لوگوں کے لیے مثال اور نمونہ بنیں۔ مرنے کے بعد جب ہم رخصت ہوں تو نیک کاموں کیلیے ہماری مثال دی جائے، برے کاموں کے لیے ہماری مثال نہ دی جائے۔

مومن کی یہ انتہائی تمنا اسی وقت پوری ہو سکتی ہے اور اس کی دعا میں اسی وقت اثر پیدا ہو سکتا ہے کہ جب اس کی زندگی اس تمنا کی سچی تصویر ہو، اور اس کی زندگی سے یہ ثبوت ملے کہ واقعی دعا کے یہ الفاظ دل سے نکلی ہوئی آواز ہے، اور یہ تمنا واقعی اس کے دل کی گہرائیوں میں کروٹیں لے رہی ہے۔

لیکن اگر معاملہ کچھ اور ہو، اس کی زندگی کا رخ اس تمنا کے خلاف ہو، اس کی دوڑ دھوپ اس دعا کی تردید کر رہی ہو، اور محض زبان سے وہ اس دعا اور تمنا کے الفاظ دہرا رہا ہو تو ظاہر ہے اس کی دعا اسی کے خلاف شہادت ہوگی اور اس کی تمنا خود اسی کا مذاق اُڑائے گی۔

اگر آدمی واقعی یہ خواہش رکھتا ہے کہ اس سے لوگ نیکی سیکھیں، اچھے ناموں سے اس کو یاد کریں اور اس کی زندگی سے نیکی کی رغبت ہو تو اسے اپنی زندگی بھی ایسی ہی بنانی ہوگی، اور اپنی زندگی سے اس نیک خواہش کا ثبوت دینا ہوگا۔ اور اگر وہ برے کام کر کے یہ خواہش رکھتا ہے کہ لوگ اس سے نیکی کا سبق لیں اور اچھے الفاظ سے اسے یاد کریں تو وہ عقل و دماغ کی کسی سخت

بیماری میں مبتلا ہے، جس کا علاج صرف یہ ہے کہ وہ توبہ واستغفارہ کرے اور آئندہ اس روش سے پوری طرح پرہیز کرے۔

ایک مشہور صحابی حضرت حرملہؓ نے ایک بار خدا کے رسول ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہؐ! آپ مجھے کن کاموں کے کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا، نیک کام کرو، اور برے کاموں سے بچو۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے پیچھے لوگ تمہیں اچھے ناموں سے یاد کریں تو اپنے اندر ایسی ہی خوبیاں پیدا کرو۔ اور جن برائیوں کے ساتھ تم اپنا ذکر پسند نہیں کرتے ان برائیوں سے دور رہو۔۔۔کون اس بات کو پسند کرے گا کہ اس کی زندگی سے لوگ برا اثر قبول کریں اور اس کی ذات لوگوں میں برائی پھیلنے کا ذریعہ بنے۔ ہر مومن اپنے سینے میں یہی پاکیزہ خواہش رکھتا ہے کہ لوگ اسے اچھے ناموں سے یاد کریں، اس کی زندگی سے اچھائی اور بھلائی سیکھیں، اور اس کی شخصیت بھلائی پھیلانے کا ذریعہ بنے۔ لیکن خواہش کتنی ہی پاکیزہ ہو، محض خواہش کا کوئی حاصل نہیں، اگر اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے آپ عملی جدوجہد کا حق ادا نہ کریں۔ اگر آپ کی دوڑ دھوپ کا مرکز نیکی اور بھلائی نہیں ہے، آپ کی محفلوں میں نیکی اور بھلائی کے تذکرے نہیں ہیں، آپ کی مشغولیتوں میں ایمان کے تقاضوں کی جھلک نہیں ہے، آپ کے افکار وخیالات میں اسلامی رنگ نہیں ہے، آپ کے گھر، دینداری کے ہمہ وقتی مدرسے نہیں ہیں، اگر آپ کے کاروبار اور کارخانوں میں اسلامی احکام وآداب کا پاس ولحاظ نہیں ہے، اور آپ دینی اصول واحکام سے آزاد، خودسری اور خودرائی کی زندگی گذار رہے ہیں یا خدانخواستہ سرکشی اور نافرمانی کی روش پہ گامزن ہیں تو آپ کی زندگی، آپ چاہیں یا نہ چاہیں، لوگوں کو بڑا سبق پڑھا رہی ہے، اور آپ لوگوں کو بری راہ پر لگانے میں لگے ہوئے ہیں۔

آپ کی یہ پاکیزہ خواہش کہ آپ کو لوگ نیکی کے لیے مثال بنائیں اسی وقت پوری ہوسکتی ہے جب آپ کو دیکھ کر بے اختیار لوگوں میں نیکی کی تڑپ پیدا ہو، بھلائی کا شوق ابھرے اور آپ کی کتاب زندگی شب وروز خاموش تبلیغ وتلقین میں برابر مصروف رہے۔

(شعور حیات حصہ دوم)

رمضان،قرآن اور پاکستان

(صاحبزادہ خورشید احمدگیلانی)

نیکیوں کے موسم بہار رمضان المبارک کا تعلق بیک وقت جملہ بنی نوع انسان،مسلمان اور اہل پاکستان کے ساتھ ہے۔اس ماہ میں متعدد ایسے واقعات رونما ہوئے جنھوں نے انسانی نظریے اور سوچ کو نئی جہت،اسلامی تاریخ کو مثبت موڑ اور اہل پاکستان کو ایک نعمت خداداد سے ہمکنار کیا۔رمضان ایک ایسا مہینہ تو ہے ہی جس کا پہلا عشرہ رحمت،دوسرا مغفرت اور تیسرا نجات سے عبارت ہے۔جس میں مومن کے رزق کو فراخ کر دیا جاتا ہے۔جس میں نیکیوں کے اجر کو سات سوگنا تک بڑھا دیا جاتا ہے۔جس کی سحری میں برکت اور افطاری میں لذت ہے جسے زبان نبوت نے ''شہر المواساۃ'' یعنی ہمدردی کا مہینہ قرار دیا ہے۔جس کی سب سے اہم عبادت ''روزہ'' کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص فرمایا ہے اس کے روز و شب کو صیام اور قیام سے منسلک کر کے بھرپور تربیتی نصاب میں بدل دیا گیا ہے اور جس میں نفل کا درجہ بڑھا کر فرض اور ایک فرض کو ستر فرائض کے ہم پلہ کر دیا گیا ہے۔یہ فضائل و برکات خود اپنی جگہ قابل قدر اور لائق توجہ ہیں لیکن اس ماہ کو کچھ اور تاریخی تبدیلیوں کے سبب خاص امتیاز اور شرف حاصل ہے۔

اس ماہ مبارک کی سترہ تاریخ کو پہلا معرکہ حق و باطل برپا ہوا جبکہ حضور اکرم ﷺ کو ہجرت کئے اور مدینہ منورہ میں آئے ہوئے دو سال بھی نہیں ہوئے تھے 2ھ 17 رمضان المبارک کو میدان بدر میں کفر اور اسلام آمنے سامنے ہوئے اور اس دن کو قرآن حکیم نے ''یوم الفرقان'' کا نام دیا ہے یعنی ''فیصلے کا دن'' 17 رمضان کو تین باتوں کا فیصلہ آ گیا۔

اولاً۔۔۔اسلام میں تشکیل امت خون،برادری،نسل،رنگ،وطن اور زبان کے ذریعے نہیں بلکہ نظریاتی وحدت اور اعتقادی ہم آہنگی کی بنیاد پر ہوتی ہے۔غزوہ بدر میں ایک ہی خطے جزیرۃ العرب کے لوگ آمنے سامنے تھے قریش دو بدو تھے،عربی زبان بولنے والے مدمقابل تھے،عرب خون مچل رہا تھا اور بیٹے کے مقابلے میں باپ اور بھائی کے مقابلے میں بھائی صف آرا تھا۔لسانی،وطنی،نسلی اور خاندانی اشتراک کے باوجود ان کے نظریے میں اختلاف تھا اس لئے

ایک گروہ جاہلی نخوت کا علمبر دار تھا اور دوسرا نظریاتی لذت سے سرشار تھا۔ ثالثاً۔۔۔ اس غزوہ سے دنیا کو یہ اندازہ بھی ہوگیا کہ اسلام اپنی ذات، اپنی نفسیات اور اپنی تعلیمات کے اعتبار سے ایک جامد، منفعل، مرعوب، مغلوب اور کتابی دین نہیں بلکہ وہ متحرک، غالب اور جہادی دین ہے۔ وہ ایک الگ سیاسی اور ریاستی تشخص چاہتا ہے وہ اپنے لئے سرزمین طلب کرتا اور خدا کے مطلوب اور نمائندہ دین کے طور پر کفر اور شر پر غالب آنے کا منشور اور داعیہ رکھتا ہے۔

8ھ ماہ رمضان کی اس تاریخ کو "فتح مکہ" کا عظیم الشان تاریخی واقعہ رونما ہوا جس نے کفر پر اسلام کی بالا دستی کو واضح اور ثابت کردیا اور اس کے بعد اسلام اپنے عالمگیر مشن کا آغاز کرتا ہے اور پھر صدیوں تک اسلام کی راہ میں کوئی روڑا نہ رہا اور ایک دنیا سرنگوں ہوگئی۔

یہ ایک دو مثالیں خصوصاً اہل اسلام کیلئے ہیں کہ رمضان المبارک کے مہینے سے ان کی کیا تاریخی یادیں وابستہ ہیں۔

عالم انسانی کیلئے بھی یہ مہینہ ایک محسن مہینہ ہے اسی رمضان کی ستائیسویں شب کو نزول قرآن ہوا۔ قرآن اترا تو قلب نبوت پر لیکن اس سے پوری دنیائے انسانیت نے فیض پایا اور اسے منشور انسانی کا درجہ ملا۔ قرآن مجید نے پہلی بار انسان کو اس کے "راز خدا" ہونے کا احساس دلایا ورنہ اس سے پہلے تو انسان اور خدا کے درمیان نہ جانے کتنے کلیسا، کتنے پروہت، کتنے پنڈت، حائل تھے پہلی بار انسان کو پتہ چلا کہ وہ سمندروں، سر بفلک پہاڑوں، اونچے درختوں، گہرے غاروں، پھن پھیلائے سانپوں، گرجتے شیروں، چنگھاڑتے ہاتھیوں، کڑکتی بجلیوں، برستے بادلوں، چمکتے سورج، دمکتے چاند اور ٹمٹماتے ستاروں کا خادم اور غلام نہیں بلکہ یہ سب کچھ اس کیلئے بنائے گئے ہیں۔ اس کی خدمت کیلئے، اس کی سہولت کیلئے اور اس کی ضرورت کیلئے پہلی بار انسان کو قرآن کے ذریعے معلوم ہوا کہ وہ نہ پیدائشی گنہگار ہے اور نہ کسی کا محکوم اور غلام وہ ماں کے پیٹ سے معصوم پیدا ہوتا اور آزاد جنم لیتا ہے وہ صرف اللہ کا غلام اور بندہ ہے اس پر کوئی اپنا حق آقائی جتانے کا روادار نہیں اور کوئی اس سے اپنی بندگی کے مطالبے کا حقدار نہیں۔

قرآن مجید ہی کے ذریعے انسان کو معلوم ہوا کہ دنیا میں سرخروئی اور آخرت میں کامیابی کسی

دھڑے، کسی برادری، اور کسی دھرم کے باعث نہیں بلکہ صحیح عقیدے، نیک عمل اور ربانی بننے کے باعث ممکن ہے قرآن مجید نے کہا

''یہ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کے سوا کوئی جنت میں نہ جائے گا یہ صرف ان کی آرزوئیں ہیں''(البقرہ 111)

یہ حوصلہ اور اعتماد بھی قرآن مجید نے عطا کیا کہ لوگوں میں اگر تبدیلی کی خواہش، جینے کی امنگ اور رہنے کا ڈھنگ ہو تو اللہ بلاوجہ اس قوم کو مبتلائے آزار نہیں کرتا''۔

''آپ کا رب ایسا نہیں کہ کسی بستی کو ظلم سے ہلاک کر دے اور وہاں کے لوگ اصلاح کیلئے کوشاں ہوں''

انسانوں کے درمیان اٹھی ہوئی رنگ و نسل کی فصیلوں کو بھی قرآن نے منہدم کیا اور نیا معیار عزت و منزلت عطا کیا۔''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا اور محض اس لئے تم میں شعوب و قبائل بنائے کہ ایک دوسرے کو پہچان پاؤ (ورنہ) اللہ کے نزدیک قابل تکریم صرف اہل تقویٰ (صاحب کردار) ہیں''(الحجرات:13)

اور اسی قرآن مجید کی بنیاد پر جزیرۃ العرب میں پہلی بار ایک منظم ریاست وجود میں آئی جو اپنے جوہر میں ایک عالمی ریاست تھی اور اس ریاست کے طفیل حجۃ الوداع کے موقع پر انسانی حقوق کا مفصل چارٹر سامنے آیا اور ان حقوق کو الٰہی حقوق کا درجہ دے کر نبی اور امتی کو بیک وقت ان کی پاسداری کا پابند بنایا گیا ان مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان انسانوں کیلئے بے بہا الٰہی تحائف اور روحانی سوغاتیں لے کر آیا اور عالم انسانی آج تک ان سے بہرہ ور اور کیف اندوز ہو رہا ہے۔رمضان المبارک کا ایک خاص تعلق پاکستان اور اہل پاکستان سے ہے اور وہ یوں کہ نظریہ پاکستان کی بنیاد (بقول بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ) اس دن رکھ دی گئی تھی جب برصغیر میں پہلا شخص مسلمان ہوا تھا اور کسی بھی شخص کے اسلام کی نعمت سے بہرہ مند ہونے کا وسیلہ غازی اسلام ''محمد بن قاسم'' بنا جس نے دیبل فتح کر کے سندھ کو ''باب الاسلام'' ہونے کا شرف عطا کیا۔یہ واقعہ بھی 10 رمضان المبارک کو رونما ہوا۔اور دوسرے یہ کہ 27 رمضان ہی کو پاکستان معرض وجود میں آیا اس اعتبار سے اہل پاکستان کا رمضان المبارک سے خصوصی تعلق بنتا ہے۔

اس تعلق کی وضاحت کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے اجتماعی رویے پر غور کریں کہ کیا پاکستان کا ناک نقشہ، اس کا ریاستی ڈھانچہ، اس کا سیاسی رویہ، اس کا معاشرتی چہرہ اور اس کا معاشی ایجنڈا وہی ہے جو ایک ایسی ریاست کا ہونا چاہئے جو اسلامی نظریے کی علمبردار ہو جس کا ظہور اور قرآن کا نزول ایک ہی رات میں ہوا ہو اور جس نے اپنے سفر کا آغاز ماہ رمضان میں کیا ہو۔

وہی رمضان جس میں جنت کے دروازے کھولے اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں جبکہ آج ملک میں اصلاح کے سرچشمے بند اور فساد کے کواڑ چوپٹ کھلے ہوئے ہیں۔

وہی رمضان جس میں رنگ و نسل اور ہمہ نوعی تفرقے کو اس سازش اور خواہش کو خاک آلود کر دیا گیا کہ وہ اہل اسلام کا معاشی مقاطعہ کر کے ان کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیں گے مسلمانوں نے روزوں کا آغاز کر کے اہل کفر کو بتایا کہ ہمارے ہاں بھوکا رہنا عار نہیں بلکہ یہ تو کار ثواب ہے۔ ہم محض پیٹ اور لذت کام و دہن کی خاطر اپنے اصول و نظریات چھوڑنے والے نہیں جبکہ آج محض نمود و نمائش اور آسائش تن کیلئے تمام شرائط مان کر آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک سے معاملہ طے کیا جاتا ہے''

وہی رمضان جس میں فتح مکہ ہوئی اور دنیا کو پہلی بار انتقام سے گریز کا عملی درس ملا اور عفو کا مفہوم سمجھ آیا اور ہر شخص کی عزت، آبرو، مال اور جان کا تحفظ یقینی بنایا گیا تھا جبکہ آج جذبہ انتقام خون آشام ہوتا جا رہا ہے اور جان و مال کا تحفظ ایک پارینہ خواب ہو کر رہ گیا ہے۔

وہی رمضان جس کی ایک شبھ گھڑی میں اسلامیان ہند نے آزادی کا سانس لیا اور نیا خواب دیکھا تھا جبکہ آج سیاسی و معاشی صورت حال اس قدر ہولناک ہو گئی ہے کہ جان و مال کے حفاظت تو اپنی جگہ خود آزادی و استقلال کا تحفظ ایک سوالیہ نشان بنتا جا رہا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ رمضان اور قرآن کے حوالے سے پاکستان کو پھر اسی نقطے پر واپس آنا پڑے گا۔ جہاں سے اس نے اپنے قیام کا آغاز کیا تھا۔ ''فکر اقبالؒ اور تدبر قائدؒ اقبال'' کی فکر ایک آفاقی ملی فکر تھی اور قائد کی تدبیر کو اللہ کی تائید حاصل تھی۔ یہاں آفاقی و ملی فکر کے علاوہ کوئی گروہی فکر نہیں چلے گی اور تدبیر کی جگہ کوئی سازش بار آور نہیں ہوگی۔ گروہی فکر سے وحدت پاکستان کو خطرہ رہے گا اور سازش سے سیاسی استحکام مجروح ہوگا۔

(بشکریہ نوائے وقت 7 اکتوبر 2007ء)

ہم کیوں مسلمان ہوئے؟

(محمدسلمان/بنواری لال)

اسلام ذات پات اور چھوت چھات سے پاک ہے

بھارتی پولیس آفیسر کے قبول اسلام کی ایمان افروز داستان

میں سوچتا ہوں کہ سنسار(دنیا) میں لگ بھگ دو ارب تو دلت، کالے اور پس ماندہ برادریوں کے لوگ ہیں۔ان کو مظلومیت سے صرف اسلام ہی بچا سکتا ہے۔اگر مسلمان ان کو اسلام کے تصور انصاف اور مساوات کا صرف پریچے(تعارف) اپنے سوبھاؤ(برتاؤ) سے کرا دیں تو سب اسلام لا سکتے ہیں اور سارے دبے کچلے سماج کے لوگ اونچ نیچ کے ظلم سے بچ کر میری طرح ایسا محسوس کریں گے کہ ان کو پھانسی سے رہائی ملی ہے،اس لیے دو ارب انسانوں پر تو ضرور ترس کھائیں۔

میرا پہلا جنم تو مظفر نگر کے ملہو پورہ محلے کے ایک دلت بلکہ چمار گھرانے میں 6اگست 1958ء کو ہوا۔ایسا میرے سکول کے سرٹیفکیٹ میں لکھا ہے۔اصل جنم تتھی(تاریخ پیدائش)تو کسی چمار کے گھر وہ بھی پچاس سال پہلے کسے پتہ ہوگی۔میرے پتا جی(والد صاحب) بے چارے مزدوری کرتے تھے۔بعد میں کمزور ہوگئے تو سبزی بیچنے لگے۔ان کا ترسنگھ جی نام تھا۔انہوں میرا نام بنواری لال رکھا۔ہمارے خاندان میں پڑھائی کا رواج نہیں تھا،بس ہمارے ایک ماموں ایک بینک میں چپڑاسی تھے اور آٹھویں کلاس پاس تھے۔انہوں نے مجھے پڑھانے کی کوشش کی اور اپنے خاندان میں،میں نے بارہویں کلاس پاس کی،پھر ٹائپنگ سیکھ لی،اور پولیس میں کلرک کی نوکری مل گئی۔بڑی دریہیت استھتی(مخالف ومتعصب ماحول) میں پڑھائی کی۔سکول میں ہیڈ ماسٹر ایک پنڈت جی تھے،بس اتنا ذلیل کرتے تھے کہ کئی بار زہر کھانے کو جی کرتا تھا۔کلاس میں سب سے پیچھے بٹھاتے تھے اور بڑی بڑی گالیاں دیتے تھے۔زندگی بھر اونچی ذات والوں سے ہم ذلیل ہوتے رہے۔پولیس کی نوکری بھی بڑی بری ہے۔25 سال میں ایک سو سرسٹھ تھانوں میں میرا تبادلہ ہوا۔پھلت کے رتن پوری تھانے میں بھی رہا اور یہاں ہی میری صدر محرر کی ترقی ہوگئی تھی،میرا دوسرا جنم(پیدائش)18 جولائی 2007ء کو ہوا۔

بہار کے ایک بڑے ڈاکٹر کی لڑکی میرٹھ کالج میں پڑھتی تھی، اور اپنی بوا کے گھر رہتی تھی۔ اسے ایک مسلمان لڑکے بلال سے محبت ہوگئی اور معاملات انتہائی گہرے ہوتے چلے گئے۔ دونوں نے ٹھان لی کہ شادی کرلیں گے۔ ایک روز لڑکی اپنی بوا کا گھر چھوڑ کر لڑکے کے پاس آگئی کہ مجھے مسلمان کرکے شادی کرلو۔ لڑکا بہت سیدھا اور کمزور دل کا تھا۔ اس نے منع کیا کہ میرے گھر والے تو کسی طرح تجھے گھر نہیں رکھ سکتے اور میرے حالات کہیں اور رکھنے کے نہیں ہیں، لیکن لڑکی نہ مانی۔ اس نے کہا کہ اگر تو نے مجھ سے شادی نہ کی تو میں زہر کھالوں گی۔ لڑکا مجبور ہوگیا۔ کئی جگہ شادی اور نکاح کیلئے لے گیا، کوئی تیار نہ ہوا۔ کسی نے اس کو پھلت ضلع مظفر نگر جانے کا مشورہ دیا، وہ پھلت پہنچا۔ مولوی کلیم صدیقی صاحب نے پورے حالات سنے۔ لڑکی سے خوب ٹھونک کر پوچھا۔ اس نے کہا کہ میرے گھر والے تو تیار ہوجائیں گے۔ میرے والد تو آدھے مسلمان ہیں۔ روزانہ قرآن شریف پڑھتے ہیں۔ مولوی صاحب نے کلمہ پڑھوا کر ان کا نکاح کروادیا، اور قانونی کارروائی مکمل کرنے کا مشورہ دیا۔ وہ لڑکا بہت سیدھا تھا۔ وہ بولا: اب میرا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ میرے نانا کلکتہ میں رہتے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا: تیرے گھر والے تجھے نہیں رکھتے تو ہم کیسے رکھ سکتے ہیں؟ مگر وہ بلک بلک کر رونے لگا۔ مولوی صاحب کو ترس آگیا۔ انہوں نے ان دونوں کو دو چار روز تک پھلت میں رکھ کر دہلی بھیج دیا اور ایک کمرہ کرایہ پر دلوادیا اور اپنی بہن سے لڑکی کی پڑھائی یعنی اسلام کی پڑھائی طے کردی۔ لڑکی کا نام ثنا رکھا۔ مولوی صاحب کی بہن کے یہاں لڑکی کو بہت کم وقت میں اسلام سمجھ میں آگیا اور ایمان اب اس کیلئے بلال سے زیادہ پیارا ہوگیا۔ لڑکی کی بوا نے بلال اور اس کے گھر والوں کے خلاف تھانے میں اغواء کی ایف آئی آر درج کرائی۔ بہار کے ایک سینئر آئی پی ایس افسر لڑکی کے رشتے دار تھے۔ انہوں نے میرٹھ کے ایس ایس پی پر زیادہ دباؤ دیا کہ وہ لڑکی کو برآمد کریں۔ بلال کے والد اور گھر والوں کو پولیس اٹھا کر لے گئی۔ مولوی صاحب کے بار بار دباؤ دینے کے باوجود بلال اپنی سستی اور کم ہمتی کے باعث قانونی کارروائی نہ کراسکا۔ لڑکی نے تھانے میں فون کیا کہ میں گریجوایٹ ہوں اور میں نے اپنی مرضی سے شادی کی ہے، مگر پولیس پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بلال

کے بڑے بھائی نے کسی طرح مولوی صاحب کا نمبر لیا اور فون کیا کہ کسی طرح بلال کا پتہ بتا دیں، ہمیں صرف قانونی کاغذات لینے ہیں، تا کہ تھانے میں دکھا کر اپنے گھر والوں کو چھڑا لیں۔ مولوی صاحب اس وقت ممبئی میں تھے۔ انہوں نے ان کو مشورہ دیا کہ دو روز بعد بلال دلی کی کسی مسجد میں آئے گا، آپ وہاں مل لیں۔ ہمارے بہنوئی آپ سے ان کی ملاقات کرادیں گے۔ دوپہر کی نماز میں بلال مسجد نہیں پہنچا اور بلال کے بھائی معلوم کرتے کرتے مولوی صاحب کے دہلی والے گھر پہنچ گئے۔ وہاں گھر والوں نے کہا کہ ہم کسی بلال کو نہیں جانتے۔ پھر اس نے مولوی صاحب کو فون کیا۔

مولوی صاحب نے کسی طرح بلال کو تلاش کر کے اس سے رابطہ کیا اور اس سے اپنے بھائی سے ملنے کو کہا۔ پولیس پر دباؤ پڑا تو بلال کے اس بھائی کو بھی پکڑ لیا۔ ان سب پر دباؤ بھی دیا اور لالچ بھی کہ ہمیں صرف لڑکی چاہیے، اگر لڑکی کا پتہ تم لوگ بتا دو تو ہم سب لوگوں کو چھوڑ دینگے۔ بلال کے بھائی نے اپنے چھوٹنے کے لالچ میں تھانہ انچارج سے کہا کہ لڑکی دہلی میں مل سکتی ہے۔ وہ اس کو اور لڑکی کے بھائی کو لے کر دہلی پہنچے اور 17 جولائی کی رات ساڑھے تین بجے بٹلہ ہاؤس، نئی دہلی 25 میں مولوی کلیم صاحب کے گھر چھاپہ مارا۔ مولوی صاحب کسی کے انتقال پر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ پولیس نے گھر کی تلاشی لی اور مولوی صاحب سے بلال کا پتہ معلوم کیا۔ مولوی صاحب نے بتایا کہ بلال ان کے پاس نہیں ہے بلکہ کل اس کا فون آیا تھا۔ رو رہا تھا کہ آپ کا کمرہ تو خالی کرالیا، اب میں کیا کروں؟ میں نے فون پر اس کو پنجاب کے ایک دوست کا نمبر دیا کہ کوشش کرلو، شاید وہ تمہیں کرائے کا مکان اور کوئی نوکری دلوا دیں۔ پولیس مولوی صاحب کو جامعہ نگر چوکی لے گئی اور پھر فوراً انہیں لے کر میرٹھ کے متعلقہ تھانے میں روانہ ہوگئی۔ موبائل بھی اپنے قبضے میں کر لیا۔ مولوی صاحب بتاتے ہیں۔ زندگی میں پولیس سے ایسا پہلا سابقہ تھا۔ فوراً خیال ہوا کہ دعوت ہر مشکل کا علاج ہے۔ مولوی صاحب نے دعوت کی بات شروع کی۔ ایک گاڑی میں تھانہ انچارج موتلہ صاحب اور مولوی صاحب تھے۔ مولوی صاحب نے تھانہ انچارج سے معلوم کیا کہ آپ پولیس والے ہی ہیں یا انسان بھی ہیں؟ وہ بولے: پہلے ہم انسان

ہیں،بعد میں پولیس والے ۔مولوی صاحب! ہم پہاڑ کے رہنے والے ہیں اتر کھنڈ کے اور پہاڑی لوگ پہلے انسان ہوتے ہیں ۔مولوی صاحب نے کہا: آپ میری طرف دیکھئے میرے چہرے سے آپ کو کیا جرائم ٹپکتے نظر آ رہے ہیں، کیا میں کوئی لڑکی اغوا کر سکتا ہوں؟ موتلہ صاحب نے کہا: سر! ہم نے آپ کا کوئی اناور (بے عزتی) تو نہیں کیا، آپ پولیس کی مدد کیجئے، ہمیں صرف لڑکی چاہیے، ہم پر بہت دباؤ ہے ۔مولوی صاحب نے کہا کہ کیا یہ کوئی آور (عزت) ہے کہ آپ ایک شریف آدمی کو تین بجے رات بغیر کسی جرم کے تھانے لے جا رہے ہیں ۔مولوی صاحب نے مرادنگر مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت چاہی، تو موتلہ جی ہاتھ جوڑنے لگے: سر! میں نماز پڑھنے کیلئے مسجد میں جانے کو نہیں کہہ سکتا، آپ کہیں راستے میں نماز پڑھ لیں، گاڑی میں چٹائی ہے۔ مولوی صاحب نے کہا: نماز تو آپ کو بھی پڑھنی چاہیے ۔ایک دن مالک کے سامنے آپ کو بھی جانا ہے ۔وہاں آپ سے اس کا سوال ہوگا کہ آپ نے نماز کیوں نہیں پڑھی ۔مولوی صاحب نے اس کو اسلام کے بارے میں بتانا شروع کیا۔تھانے پہنچ گئے ۔تھانے میں کرسی پر بٹھا کر اس نے سپاہی کو چائے اور بسکٹ لانے کو کہا۔مولوی صاحب نے منع کیا کہ ہم لوگ پولیس کی چائے نہیں پیتے، مگر موتلہ جی نے کہا کہ چائے والے سے معلوم کر لیجئے کہ ہم کس طرح پیسے دیتے ہیں۔اگر آپ سنتشٹ (مطمئن) ہوں تو چائے لے لیجئے، ورنہ چائے کے پیسے اپنے پاس سے ادا کر دیجئے چائے تو پی لیجئے ۔موتلہ جی نہانے اور ناشتے کیلئے میرٹھ گھر چلے گئے ۔تھوڑی دیر میں مولوی صاحب کے بہنوئی اور ایک دو وکیل آ گئے ۔مولوی صاحب ان سے بات کر رہے تھے ۔مولوی صاحب نے بتایا کہ تھانے کا ایک سنتری آیا اور بولا: مولوی صاحب! آپ اپنی کرسی لے کر اندر الگ بیٹھیے ۔مولوی صاحب نے سوچا کہ تھانے میں اپنی عزت بچانی چاہیے۔پس وہ اندر آ گئے۔ اصل میں میرے مالک کو مجھ مظلوم پر رحم آ گیا تھا کہ کنوئیں کو پیاسے کے پاس گرفتار کر کے بھیجا۔ میں اپنے ماتحت سپاہی سے بحث کر رہا تھا، وہ اہلاوت چوہدری تھا۔ میں نے کہا کہ سارے کام ہم کرتے ہیں، بس تمہارے پاس بدھی (عقل) تو ہے، ورنہ سارے کام ہم کرتے ہیں۔ میں نے کہا: میاں صاحب! مندر ہم بنائیں، مسجد ہم بنائیں ۔سب کام ہم کریں ۔اور ہمیں گھسنے نہیں

دیتے۔مولوی صاحب نے کہا:مندر کی بات آپ سچ کہہ رہے ہیں،مسجد کی یہ بات نہیں ہے۔ آپ کسی مسجد میں امام کے پیچھے چلے جائیں گے،کوئی آپ کو روکے گا نہیں۔آپ ہندو پہچان کے ساتھ دہلی کی جامع مسجد میں جائیے،آپ کو کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے نہیں روکے گا۔ میں نے کہا:مولوی صاحب!اصل میں ہم چمار ہی،بس بتا نہیں سکتے،کیسے دکھ جھیلے ہیں ہم نے۔ سکول میں ماسٹر سب سے پیچھے بٹھاتا تھا،آواز بالکل ہلکی تھی،کچھ سوال کرلیتا تو بس گالیاں دیتا۔کتنی بار دل میں آیا کہ مالک نے ہمیں ہندو کیوں پیدا کیا دیا،کئی بار خیال آیا کہ بودھ یا مسلمان ہو جاؤں۔

مولوی صاحب نے بتایا:بودھ بننے سے تو امبیڈکر جی کا مسئلہ حل نہیں ہوا۔انہوں نے خود لکھا ہے کہ مسلمان ہونا ہی مسئلہ کا حل تھا۔میں نے کہا کہ ہمیں تو کوئی مسلمان کرنے والا ملتا نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میں آ گیا ہوں نا آج۔میں نے کہا:مولوی صاحب!آپ تو مذاق میں لے رہے ہیں۔میرا دل تو کڑھ رہا ہے،میں بہت سیریس بات کر رہا ہوں۔مولوی صاحب نے کہا کہ میں آپ سے کئی گنا زیادہ سیرس (سنجیدہ) ہوں،اور بولے:پڑھ لو کلمہ:لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھو جلدی۔بس ہو جاؤ گے مسلمان۔میں نے کہا:یہ تو مجھے یاد ہے۔مولوی صاحب نے کہا کہ مجھے سناؤ،میں نے سنایا۔مولوی صاحب بولے:اب اس کو مسلمان ہونے کی نیت سے سچے دل سے پڑھ لیجیے۔یہ خیال کر کے کہ قرآن جو مالک کی طرف سے سنودھان (منشور) ہے، اس کی شپتھ (حلف) لینے کے لیے پڑھ رہا ہوں۔کہ اس منشور کو مانوں گا۔مولوی صاحب کے زور دینے پر میں نے پڑھا۔مولوی صاحب نے کہا:بس مسلمان ہو گئے۔میں نے کہا:اب مجھے مسلمان ہونے کے لیے کیا کرنا ہے؟مولوی صاحب نے کہا کہ مسلمان ہونے کے لیے کچھ نہیں کرنا ہے،بس اچھا مسلمان ہونے کے لیے اسلام پڑھنا ہے۔نماز سیکھنی ہے،صفائی کا اسلامی طریقہ سیکھنا ہے۔میں نے کہا:مجھے کہاں جانا پڑے گا؟مولوی صاحب نے کہا کہ پھلت آ جانا۔ میں نے کہا:پھلت جو رتن پوری تھانے میں ہے اور جہاں بڑا مدرسہ ہے اور جہاں کے مولوی صاحب مشہور ہیں۔مولوی صاحب نے کہا:ہاں وہی۔مولوی صاحب نے کہا:فون نمبر لکھ لیں،

اچھا ہے، میری موجودگی میں آئیں۔ میں بیان نہیں کرسکتا، مجھے کلمہ پڑھ کر ایسا لگا، جیسا میں نے ایک تنگ گھٹن کی زندگی سے ایک نئے جگت (جہان) میں جنم لیا ہے۔ مولوی صاحب نے میرا نام محمد سلمان رکھا۔ انہوں نے مجھے جیسے ہی کلمہ پڑھوایا، موتلہ صاحب کے پاس ہوم سیکرٹری اور لیڈروں اور افسروں کے فون آئے۔ انہوں نے تھانے میں فون کیا۔ انسپکٹر سے بات ہوئی، موتلہ صاحب نے کہا کہ مولوی صاحب کو آدر (عزت) سے آفس میں بٹھاؤ اور ناشتہ وغیرہ کراؤ، میں آتا ہوں۔

موتلہ جی آ گئے۔ مولوی صاحب سے معذرت کی کہ پولیس کو اصل حال معلوم نہیں تھا۔ آپ باعزت جاسکتے ہیں۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ آگے کوئی کارروائی نہ کریں، مجھے بالکل ایسا لگا، جیسے میرے مالک نے مجھے دنیا کی تنگی اور ظلم سے نکالنے کے لیے مولی صاحب کو گرفتار کر کے بھیجا۔ مولوی صاحب بھی کہتے ہیں کہ آپ مجھے ایسے ہی بلوا لیتے، رات کو تین بجے کلمہ پڑھوانے کے لیے گرفتار کروایا۔ میں کس منہ سے اپنے پیارے مالک کا شکر ادا کرسکتا ہوں۔

اخباروں میں مولوی صاحب کی گرفتاری کی خبر چھپ گئی۔ فون پر فون احتجاج کے آنے شروع ہوئے۔ موتلہ اور انسپکٹر کا ٹرانسفر ہوا، بلکہ ڈموشن ہوا۔ تقریباً سارا تھانہ بدلا گیا۔ میرا بھی ٹرانسفر ہوا۔ موتلہ صاحب اپنا سامان لینے آئے تو میں ان سے ملنے گیا۔ بولے: دہلی سے آتے وقت مولوی صاحب نے گاڑی کے اندر کی لائٹ جلا کر جب کہا کہ میرا چہرہ دیکھیے آپ، کیا اس سے جرائم ٹپک رہے ہیں؟ میں بیان نہیں کرسکتا، جیسے مجھ پر بجلی گر گئی ہو، میرے دل میں آیا کہ کس مہان (بڑے) آدمی پر تو نے ہاتھ ڈالا ہے۔ بعد میں افسروں کے دباؤ سے بچنے کے لیے مولوی صاحب کا نام تو ایف آئی آر میں لکھا کہ مولوی صاحب کے علم میں تھا، مگر اندر سے مجھے ایسا لگتا ہے، بنواری لال! وہ لڑکی کیا مسلمان ہوئی، ہم سبھی کو مسلمان ہونا پڑے گا۔ میں نے ان کو مولوی صاحب کی کتاب ”آپ کی امانت آپ کی سیوا میں“ بھی دی۔ کچھ دنوں بعد موتلہ صاحب کا فون آیا، اسلام کے تعارف کیلئے اور اسلام پر کوئی کتاب بھیجنے کیلئے کہہ رہے تھے۔

سب سے پہلے تو میں نے اپنے اطمینان کیلئے ایک روز کی چھٹی لیا اور دھوتی پہنی، تلک لگایا اور دہلی جامع مسجد پہنچا۔ گیارہ بجے جامع مسجد پہنچا اور نماز کا وقت معلوم کیا تو لوگوں نے بتایا کہ اڑھائی گھنٹے بعد اکٹھی نماز ہوگی، اکیلے تو جب چاہو پڑھ سکتے ہو۔ میں امام صاحب کی جگہ کے

پیچھے جا کر بیٹھ گیا۔ دو گھنٹے بعد اذان ہوئی۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ نماز ہونے والی ہے، آپ یہاں سے تھوڑی دیر کیلئے چلے جائیں۔ میں نے کہا: میں چمار ہوں، ہندو مذہب کا کوئی فرد مجھے مندر میں نہیں جانے دیتا، آج مسجد دیکھنے آیا ہوں۔ اذان دینے والے میاں جی کا ایک مصلی بچھا تھا، انہوں نے اسے جھاڑا اور مجھے کہا: آپ اس پر بیٹھ جائیں۔ میں نے امام کے پیچھے نماز پڑھی۔ لوگ یہ معلوم کر کے کہ میں چمار ہوں، بہت خوش ہوئے اور کئی لوگوں نے مجھے گلے سے لگایا۔ اسلام کی سچائی پر اب مجھے پورا یقین ہو گیا تھا۔ اب میں گھر گیا، اپنے بچوں کو اور گھر والوں کو بتایا، سب لوگ بہت خوش ہوئے، اور میں نے پھلت مولوی صاحب سے وقت لے کر ان چاروں بچوں اور بیوی کو کلمہ پڑھوایا۔

ہمارے خاندان والے مظفر نگر میں رہتے ہیں۔ ہمارا ان سے رابطہ زیادہ نہیں ہو پاتا۔ ہاں مجھے یقین ہے کہ سچائی معلوم ہوگی تو مخالفت کرنے کے بجائے اسلام کے سائے میں آ کر بے حد خوشی محسوس کریں گے۔ میں خود ایسا محسوس کرتا ہوں جیسے مجھے پھانسی سے رہائی ملی ہو۔

میں نے مولوی صاحب سے بات کی ہے۔ انشاء اللہ جلد چھٹی لے کر چار مہینے جماعت میں یا کسی مدرسے میں لگاؤں گا، میں نے نام بدلنے کی بھی درخواست دے دی ہے۔ میں نے کتابیں پڑھنی شروع کر دی ہیں۔ مولوی صاحب نے مجھے پچاس کتابوں کی فہرست بتائی ہے، جو ہند میں مل سکتی ہیں۔ پچیس میں نے خرید لی ہیں، ہر لائن پڑھ کر مجھے اپنے مالک کے شکر میں بس سر رکھے رہنے کو جی چاہتا ہے۔

میں سوچتا ہوں کہ سنسار (دنیا) میں لگ بھگ دو ارب کم سے کم ڈیڑھ ارب تو دلت، کالے اور بیک ورڈ پس ماندہ برادریوں کے لوگ ہیں۔ اسلام اور صرف اسلام ان کے دکھ کا علاج ہے۔ ان کو مظلومیت سے صرف اسلام ہی بچا سکتا ہے۔ اگر مسلمان ان کو اسلام کے انصاف اور برابری کا صرف پریچے (تعارف) اپنے سوبھاؤ (برتاؤ) سے کرا دیں تو سب اسلام لا سکتے ہیں اور سارے دبے کچلے سماج کے لوگ اونچ نیچ کے ظلم سے بچ کر میری طرح ایسا محسوس کریں گے کہ ان کو پھانسی سے رہائی ملی ہے، اس لیے دو ارب انسانوں پر تو ضرور ترس کھائیں۔

(نوائے وقت 18 نومبر 2007)

قرآن کی سائنسی توجیہ میرا منشور حیات ہے

(طارق اسمٰعیل ساگر)

دنیا جائے عبرت ہیں یہاں انسانوں کی تربیت کیلئے قدرت نے کیسے کیسے اہتمام کیے ہیں ان کی ایک جھلک آپکو ڈاکٹر محمد عبدالرشید سیال کی صورت دکھائی دیتی ہے۔ بظاہر ماہر امراض دل لیکن مفسر قرآن ڈاکٹر محمد عبدالرشید سیال۔ سیال میڈیکل سنٹر کے چیف ایگزیکٹو ہیں آپ نے لباس سے متعلق ریسرچ کا آغاز 1980 کے اواخر میں کیا۔ ان کی لباس سے متعلق ریسرچ کو دنیا میں ہر جگہ پذیرائی ملی۔ ان کی تحقیق کہ مصنوعی ریشہ لباس انسانی اعصاب اور دل پر کس طرح سے اثر انداز ہوتا ہے کا بخوبی جائزہ لیتے ہوئے انہوں نے اس پر مختلف تحقیقی مکالے لکھے جن میں Psychosomatic Cardiovascular، بلڈ پریشر، Hyper ventilation Syndrome، دل کی رفتار میں بے ربطگی۔ حرکت قلب کا اچانک رک جانا، دل کے دورے کا ممکنہ سبب اور ایسے ہی بے شمار مکالے لکھے جو انہوں نے دنیا کے مختلف ممالک مصر (قاہر 83-1982) ہندوستان (بمبئی 84-1983)، جرمنی Dusseldort 1985) کینیڈا (ونیکوور 1986) میں عالمی فورمز پر پیش کئے اور پذیرائی حاصل کی۔ 1986ء مارچ میں ڈاکٹر سیال کو امریکن سوسائٹی آف انوائرمینٹل میڈیسن کی Environmental Fellowship دی گئی۔ 1988 میں ڈاکٹر سیال کو امریکن سوسائٹی آف نیوکلیئر فزکس نے خصوصی طور پر Lubbock (ٹیکساس) میں مدعو کیا جس میں تین Noble Laureate ڈاکٹر ولسن، ڈاکٹر کارمک اور ڈاکٹر فاؤلر بھی موجود تھے۔ ڈاکٹر سیال امریکہ سے باہر کی دنیا سے مدعو کئے ہوئے اکیلے ہی ڈاکٹر تھے جنہوں نے مصنوعی لباس کی وجہ سے حرکت قلب اچانک کس طرح بند ہوتی ہے پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ تقریب کے آخر میں ڈاکٹر فاؤلر نے ڈاکٹر سیال کے پیپر کو بے حد سراہتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر صاحب نے ہماری توجہ Electro Static Charge کی طرف مبذول کرائی ہے اور اب ہم اس پر سنجیدگی سے کام کریں گے کیونکہ وہ بچوں کے سکول جن کے نزدیک High Tension Cable گزرتی ہے میں خون کے

کینسر کا امکان بہت زیادہ ہوتا ہے۔اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب کی کتابیں Human Health, Smart Living Garmentsand لکھیں۔ان کی کتاب Coronary Risk Newperspective امریکن کالج آف فزیشن کی طرف سے سلیبس کیلئے منتخب کی جاچکی ہے۔نیز ایک اور کتاب Cardiac Death Enigma of Sudden SleepDeathUnexplained جس میں تفصیل سے خصوصی طور پر بحث کی گئی ہے اور اکثر اوقات بغیر کسی ظاہری وجہ کے حرکت قلب بند ہوجانے سے موت واقع ہوجاتی ہے کوموضوع بنایا گیا ہے اس کتاب کوامریکن کالج آف کارڈیالوجی نے Research Scientist of the year کیلئے منتخب کیا ہے۔یہ تمام کتابیں امریکہ اور برطانیہ میں بیک وقت چھپ رہی ہیں۔

ڈاکٹر سیال نے اپنے روحانی سفر کا آغاز 9/11 کے بعد کیا وہ اس دن امریکہ میں موجود تھے۔میڈیا پر اسلام سے متعلق نفرت نے ڈاکٹر سیال کے ذہن کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔انہوں نے رب العزت سے دعا کی یارب العزت مجھے توفیق دے کہ میں تیرے قرآن کا پیغام مغرب تک ان کے معیار کے مطابق سائنس اور فلاسفی کی روح میں پیش کرسکوں۔خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس رب العزت نے انہیں وہ توفیق بخشی کہ انکی پہلی کتاب Divine Philosophy and Modern Day Science جو 2003ء میں چھپی کو نیویارک ٹائمز نے بے حد سراہا۔ مغربی ذرائع ابلاغ نے اس کتاب سے متعلق یہ ریمارکس دیئے۔

The cadence and course of Dr.Seyals' writing on the stance of Holy Scripture besides its philosopical and Scientific discernment looks very imposing and inspiring within the folds of the true message of the text.

However one thing is conspicuous and convincing,

that lord Almighty has given him the essential essence of this noble job to achieve. He seems to be motivated in the perpetuation of this most prudent and prodigious work for the drill and directiono people living in the developed world, who can affirm and eymbrace any ideology based on logic and intellect.

ڈاکٹر سیال نے اس کے بعد ارادہ کرلیا کہ کسی طرح قرآن کریم کا ترجما یک ایسے انداز میں پیش کیا جائے کہ جس سے قرآن کریم کو سمجھنے میں دقت پیش نہ آئے اور ان کی اس کاوش Poetic Stance of the Holy Quran میں رب العزت نے ان کی مدد فرمائی۔ کیونکہ یہ پہلی مرتبہ قرآن کریم کا انگریزی زبان میں منظوم ترجمہ جو قرآن کریم کی تفسیر کو اچھی طرح سمجھ کر لکھا گیا ہے۔اس منظوم ترجمے کے ابتدائی صفحات میں ڈاکٹر صاحب نے چند اچھوتے اور بہت ضروری Topics کو خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔جن کو مختلف طبقہ فکر نے بے حد سراہا ہے۔ڈاکٹر سیال کی ان کاوشوں کا محور جہاں قرآن کریم کو جدید فلسفہ اور سائنس کے پس منظر میں روشناس کرنا تھا وہاں انکا مقصد دنیا کو امن کا گہوارہ بنانا بھی ہے۔

انکی ہر کتاب کے پہلے صفحات پر انتہائی خوبصورت انداز میں تمام انسانیت کیلئے امن، پیار اور صلح کا پیغام ہے۔یہ انکی منفرد کوشش ہی کا نتیجہ ہے کہ ڈاکٹر اینڈ ریوفرانسس (Dr.Andrew Fancis) نے ڈاکٹر سیال کی نئی کتاب Faith in the Scientific Philosophy of Religion کی تقریب رونمائی کیلئے پروگرام ملتان کینٹ چرچ کمپاؤنڈ میں اس سال ستمبر کے دوسرے ہفتے میں طے کیا ہے۔ڈاکٹر سیال کے دنیا کو امن کے پیغام کو سراہتے ہوئے انکا نام Fukuoka Grand Asian Culture Prize (2007-2008) کے لئے بھی نامزد کیا گیا ہے۔

قرآن کریم کی تفسیر میں ڈاکٹر سیال نے واقعہ معراج کو سائنسی بنیاد پر قرآن کریم کی مختلف

آیات سے اخذ ایک خوبصورت تصویری خاکہ کے ذریعے اس منفرد آفاقی سفر کو ثابت کیا ہے۔ اس کائنات کا انجام کیا ہوگا اور ایک دفعہ ختم ہونے کے بعد پھر کس طرح اس کا وجود عمل میں آئے گا۔ آج تک تمام سائنسدان مختلف آراء رکھتے ہیں لیکن ڈاکٹر سیال نے ایک خوبصورت ڈایاگرام کے ذریعے سائنس اور قرآن کے تناظر میں اس کی تفصیل بہت خوبصورت پیرائے میں بیان کی ہے۔ اس کے علاوہ تقریباً 200 موضوعات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے جس میں

☆ تقدیر اور تدبیر کا مسئلہ ☆ آدم آف سائنس اور آدم آف قرآن ☆ وجود انسان سے متعلق تحقیق ☆ ہم مرنے کے بعد پھر کیسے اٹھائے جائیں گے اور ہمارے ہاتھ اور پاؤں کئے دھرے کا کیسے جواب دیں گے وغیرہ بہرحال ہر موضوع خصوصاً وقت اور Travel Backin Time پر انتہائی تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ ڈاکٹر سیال نے قرآن سے متعلق تفسیر کی پہلی کتاب Divine Philosophy and Modern Science Day 2003 میں لکھی جسے دنیا کے تمام کونوں سے بہت پذیرائی ملی۔ ڈاکٹر سیال کی یہ کتابیں امریکہ اور برطانیہ سے بیک وقت چھپ رہی ہیں۔ ان کے حصول کیلئے کمپیوٹر پر کسی ویب سائٹ پر Rashid Seyal کا نام لکھ دیں آپ کو ان کے بے شمار مضامین کے علاوہ تمام کتابیں بھی مل جائیں گی جو آپ آسانی سے خرید سکتے ہیں۔ نوائے وقت سے ایک ملاقات میں انہوں نے خصوصاً واقعہ معراج کو سائنس اور قرآنی حقائق کی روشنی میں کس طرح بیان کیا ہے؟ کے جواب میں ڈاکٹر عبدالرشید سیال نے بتایا۔ تاریخی حقائق کو پرکھنے کیلئے ہمیں اسی دورانیہ کے حالات اور واقعات کو صحیح معنوں میں جانچنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ تب جا کر کسی واقع کو صحیح طور پر ہم Confirm کر سکتے ہیں۔ لیکن کلام پاک میں بیشتر فرمودات ایسے ہیں جو کہ اس دورانیہ کے (جب کلام پاک نازل ہوا تھا) حالات اور واقعات اور سائنسی تحقیق کی روشنی میں پرکھنا، جاننا ناممکن تھا ہاں البتہ اگر سائنس کلام پاک سے رہنمائی لیتی تو شائد سائنس دانوں نے جو معرکہ 20 ویں صدی میں سر کیا تھا وہ شائد بہت پہلے کر لیتے۔ کلام پاک کی ہمہ گیر افادیت اور حقانیت اس سے اور بھی ثابت

ہوتی ہے کہ سائنس کی ترقی ابد تک اس کی سچائی پر مہر ثبت کرتی رہے گی۔ میں کلام پاک کی پہلی پہلی آیت کریمہ ''الحمدللہ رب العالمین'' کا ذکر کروں گا جس میں خداوند قدوس فرماتے ہیں کہ وہ العالمین(Multiverse) کا رب ہے نہ کہ عالم کا (Universe)۔ اور آج کے سائنسدان اس بات پر متفق ہوگئے ہیں۔جس پروہ چند دہائیوں پہلے اس بات پر مصر تھے کہ ہم صرف Universe میں رہتے ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ Multiverse کا لفظ ابھی تک انگلش ڈکشنری میں شامل نہیں ہوا۔ یہ ایک مختلف مضمون ہے جس کی تفصیل کچھ سورۃ فاتحہ میں میں نے دی ہے۔اب آتے ہیں واقعہ معراج کی حقیقت کو پرکھنے کے لئے ہم جدید سائنس کی روشنی میں جانچتے ہیں اور پھر ہم قرآنی آیات کی روشنی میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایسے ہی راستوں سے روشنی کی سپیڈ سے کئی گنا (تیس ارب گنا) کی رفتار سے حضرت جبرائیل کے ساتھ کائنات کی وسعتوں میں ایسے ہی راستوں (Worm hole) سے سفر کیا جہاں انہوں نے خداوند قدوس کے حضور مشاہدات فرمائے۔اگر ہم کسی طریقہ سے یہ ثابت کردیں کہ حضور اکرم ﷺ نے روشنی کی رفتار سے کئی گنا سفر آسمانوں کے خصوصی راستوں سے کیا یہ خصوصی راستے کیا ہیں؟ سائنسدان آج بھی اس بات پر متفق ہیں کہ یہ راستے جس کو انہوں نے Worm holes اور Moving Worm holes کا نام دیا ہے۔Big Band کے بعد وہ آج بھی موجود ہیں اور اگر ہم قرآن کریم کی آیت کریمہ پر نظر دوڑائیں تو وہاں ہمیں ایسے ہی تین راستوں سے متعلق اشارہ ملتا ہے۔سورۃ المومنون کی سترویں آیت کریمہ کائنات کے مختلف طبقات اور آسمانوں کے درمیان سات راستوں کو معارج کہا گیا ہے یعنی Elevetor Type راستے یعنی جلد سفر طے کرنے کیلئے راستے۔سورۃ الزاریات کی ساتویں آیت کریمہ میں ان راستوں کو آسمانوں کے درمیان چلتے ہوئے راستوں کا نام دیا گیا۔یعنی Moving Wormh holes اب ہم اصل مضمون کی طرف آتے ہیں۔

سٹیفن ہاکنگ جدید دور کے بڑے سائنسدان اپنی کتاب ''بریف ہسٹری آف ٹائم'' میں

لکھتے ہیں کہ اگر انسان کائنات کے مختلف طبقات کے درمیان بنائے گئے راستے (ورم ہول) کے ذریعے روشنی کی سپیڈ سے بہت زیادہ رفتار سے سفر کرسکے تو ایک جگہ جسے (Alpha Centuri) کہتے ہیں جس کا زمین سے فاصلہ 20 ملین 20x ملین میل کے برابر ہے وہ فاصلہ کم ہو کر چند ملین میل رہ جائے گا اور انسان وہاں زمین سے جا کر کچھ عرصہ وقت گزرنے کے بعد ایسے ہی دوسرے (Moving Worm hole) کے ذریعے جب زمین پر واپس آئیگا تو وہ عین ممکن ہے کہ اپنے گزرے ہوئے وقت سے بھی پہلے آ جائے۔یعنی اگر وہ منگل کی شام کو روانہ ہوا تھا تو وہ عین ممکن ہے کہ سوموار کی شام کو واپس آ جائے گا جیسا کہ سٹیفن ہاکنگ کی کتاب ''بریف ہسٹری آف ٹائم'' میں درج ہے:

There was a young lady of white who traveled much faster than light?

She departed one day. In relative way

An Arrived on the previous night

یعنی ایک دن پہلے یہ بات عام قاری کیلئے شاید مضحکہ خیز ہو لیکن یہ ایک سائنسی حقیقت ہے اور سائنسدان اس کوشش میں دن رات مصروف ہیں کہ کسی طرح کائنات کے مختلف طبقات کے درمیان اٹامک ورم ہولز بنائے جائیں تاکہ کائنات میں انسان کیلئے وہ مدد ومعاون ثابت ہو۔اس سائنسی نظریہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم اگر یہ ثابت کرسکیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایسے ہی راستوں کے ذریعے حضرت جبرائیل کے ہمراہ سفر کیا اور انکے سفر کی رفتار روشنی کی رفتار سے کئی گنا زیادہ تھی۔

سورۃ السجدہ کی پانچویں آیت کریمہ پر نظر دوڑائیں جس میں خداوند قدوس فرماتے ہیں کہ دنیا کے معاملات ان کے پاس پہنچتے ہیں۔یہ معاملات کیا ہیں اور انکی نوعیت کیا ہے؟ بڑے غور وخوض کے بعد اور تحقیق کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اگر ہم چاند کے ایک ہزار سال کے سفر کو ایک دن

کے سیکنڈ پر تقسیم کریں۔تو روشنی کی سپیڈ نکلتی ہے یعنی ایک لاکھ چھہتر ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار بھی ہے اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے چاند کا فاصلہ زمین 176000 میل ہے اور چاند سے روشنی زمین تک ایک سیکنڈ میں پہنچتی ہے۔فرشتوں کی سپیڈ جیسا کہ سورۃ المعارج کی آیات کریمہ تین اور چار پر نظر دوڑائیں سے صاف ظاہر ہے۔جس میں ان راستوں (ElevatorTypePassages) کے جو چڑھنے یا پھلانگنے کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔فرشتے اور روحیں خداوند قدوس کے ہاں ایک دن جو 50000 سال کے برابر ہے میں پہنچتے ہیں۔کہ جیسے سائنسدانوں نے اس بات کا اشارہ کیا ہے کہ انسان آئندہ کائنات کے مختلف طبقات کے درمیان راستے بنائے گا۔خداوند قدوس نے اپنے فرشتوں کیلئے وہ راستے پہلے بنا دیئے ہیں۔اب رہا رفتار کا معاملہ غور سے ان آیات کریمہ کو پڑھیں جیسے سورۃ المعارج میں 50000 سال یہاں تمہاری گنتی نہیں کہا کیونکہ ایک دن کا تعین خداوند قدوس نے پہلے فرما دیا۔جو ہمارے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔یعنی روشنی کے سپیڈ سے 1000 گنا۔تو آیئے ہم ایک عام فرشتے کی رفتان آیات کریمہ سے اخذ کرتے ہیں جو خداوند قدوس نے سورۃ المعارج میں بیان فرمائی۔1000x50000=50000000 یعنی پانچ کروڑ گنا روشنی کی سپیڈ سے زیادہ ایک عام فرشتہ کی رفتار ہے۔جبکہ کچھ فرشتے ایسے بھی ہیں جیسے کہ سورۃ الفاطر کہ آیات کریمہ 1 میں ذکر کیا گیا ہے کہ جن کے دو دو، تین تین یا چار چار پر ہیں۔کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کا اشارہ ان فرشتوں کی رفتار عام فرشتوں سے دو گنا، تین گنا اور چار گنا ہو۔یعنی روشنی کی رفتار سے 10 کروڑ، 15 کروڑ 20 کروڑ گنا اور اسی طرح احادیث شریف میں ہے کہ حضرت جبرائیلؑ کے 600 پر ہے تو آپ پانچ کروڑ کو 600 سے ضرب دیں۔روشنی کی رفتار سے 30 ارب گنا زیادہ۔اتنی تیز رفتار اور آسمانی طبقات کے درمیان راستوں کی ضرورت اس لیے بھی ضروری تھی کیونکہ ہماری کائنات ہر ایک سیکنڈ میں ایک نوری سیکنڈ یعنی 176000 میل کی رفتار سے بڑھ رہی ہے۔کیونکہ اگر کائنات پھیلنا بند کر دے تو زندگی ناممکن ہو جائے۔یہ ایک بہت لمبا مضمون ہے جس کی یہاں تفصیل ممکن نہیں۔بہر حال

حضورِ اکرم ﷺ نے ان راستوں سے روشنی کی رفتار سے 30 ارب گنا زیادہ رفتار سے سفرِ معراج کیا جس کا ذکر خداوند قدوس نے قرآن مجید میں مختلف جگہوں پر فرمایا ہے اور واپس وہ Moving Wormholes ذات الحبک (الزاریات آیت۔7) یعنی Travel Back in time مجھے قطعی طور پر معلوم نہیں کہ پروفیسر ایم اے ملک جو ہمارے ملک کے نامور پامسٹ ہیں۔ کوورم ہول تھیوری کا ادراک تھا یا نہیں لیکن ان کی کتاب اکیسویں صدی کی عالمی پیش گوئیاں جو 1999ء میں شائع ہوئی ہے۔ یہ پیراگراف قابلِ غور ہے۔ میں اس کا ذکر اس لیے بھی کر رہا ہوں کیونکہ ان کی چند ایک پیش گوئیاں جیسے 9/11، سونامی، پاکستان کا ہولناک زلزلہ جیسی پیشگوئیاں پہلے ہی وجود میں آ چکی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''تسخیر کائنات کی اس تگ و دو میں انسان کا قدم کسی سیارے پر بھی جا پہنچے گا۔ جہاں فقط چھ سات ماہ قیام کے بعد جب وہ واپس لوٹے گا۔ تو بچے بوڑھے ہو چکے ہوں گے زمیں کم و بیش ساٹھ ستر برس سے زائد کا سفر طے کر چکی ہوگی اور پھر کسی اور سیارے پر کہیں وہ آٹھ دس برس گزار کر واپس لوٹے گا۔ تو زمین پر وہی دن ہوگا جس دن وہ روانہ ہوا تھا۔ زمان و مکان کا انسانی تصور یکسر بدل کر رہ جائے گا۔

''کیا اس کے بعد بھی واقعہ معراج میں شک کی گنجائش رہ جاتی ہے؟'' ڈاکٹر عبدالرشید سیال کی خدمات طب اور اسلام کیلئے بے مثال ہیں وہ خاموشی سے ایک کونے میں بیٹھے کام کر رہے ہیں ایسے نابغہ روزگار کسی بھی ملک و قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں جن کی خدمات سے فائدہ اٹھا کر ہم عالمی برادری میں اپنے ملک و قوم کا وقار بڑھا سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نعت رسول مقبول ﷺ

(پروفیسر محمد احمد شاد)

اُن کی خاکِ پا کو چھو کر مسکرائے زندگی
مہرومہ سے بھی زیادہ جگمگائے زندگی
اُن سے ہی وابستگی تو ہے بقائے زندگی
کٹ کے ان کی زندگی سے ہار جائے زندگی
جب چلی بادِ صبا تو، پیار کا سیکھا چلن
حُسن سے پائی گلوں نے ہے ادائے زندگی
ہر حدیثِ مصطفےؐ ہے، فکر وفن کا راستہ
کوئی نکتہ اب نہیں ہے ماورائے زندگی
قتل کے درپے رہے جو دخترانِ نیک کے
آپؐ نے ان کو سکھا ڈالی وفائے زندگی
حُبِ احمدؐ ہے فقط، حُبِ الٰہی کی دلیل
سیرتِ سرکارؐ ہے، نور و ضیائے زندگی
غیر مسلم، رہنما خود جا بجا کہتے رہے
آپؐ ملجا، آپؐ ماویٰ، آپؐ ہیں جب چارہ ساز
کیوں سنائیں ہم کسی کو ماجرائے زندگی
آپ کی تعلیم سے علم و عمل کے فیض سے
ہو گیا ہر قلب مردہ، آشنائے زندگی
شاد سب کو ہے ضرورت، آپؐ کے افکار کی
ہو گئی ہے تار تار اب تو قبائے زندگی

بہار کا موسم

(پروفیسر محمد احمد شاد)

"نیکیوں" کی بہار کا موسم — ماہ رمضان ہے پیار کا موسم
"زہد و تقویٰ" کا رنگ ہے لایا — "شکر و صبر و قرار" کا موسم
"رشد" کی ہے صدا سہانی یہ — آیا عز و وقار کا موسم
بند "شیطان" ہوا سلاسل میں — اب کہاں ہے شرار کا موسم
"جرم و عصیا" کی یہ تلافی ہے — رحمتوں کے شمار کا موسم
"ضبط و صبر و ریاض کا منبع — باغ دل کے نکھار کا موسم
"تندرستی" کا یہ پیامی ہے — راحتوں کے مدار کا موسم
"مغفرت" کا یہ اک ذریعہ ہے — ختم گویا ہے نار کا موسم
"رزق" بڑھتا ہے اس مہینے میں — یہ ہے پروردگار کا موسم
ان گنت ہے ثواب "فرضوں" کا — سر بہ سر ہے وقار کا موسم
دھوم ہر سو ہے اب "تراویح" کی — حُسن کی ہے بہار کا موسم
"معتکف" ہیں سبھی مساجد میں — دل کے آیا، قرار کا موسم
"شب قدر" بھی اسی کا تحفہ ہے — رحمت پروردگا کا موسم
"نور قرآں" تو خاص نعمت ہے — حکمتوں کے شمار کا موسم
دے رہا ہے سبق "شہادت" کا — بدر کے ہے نکھار کا موسم
ہر گھڑی ہے "وصال" مولا کا — اب نہیں انتظار کا موسم

"عید کا بھی سرور ہے لایا
شاد پرور دگار کا موسم

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی انفرادیت

1۔ دوسرے سلسلوں کی روحانی معراج اور آخری منزل کشف و کرامات کا حصول ہے لیکن ہمارے سلسلہ میں اُنکی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ہمارے سلسلہ کا آخری مقصد اللہ کا قرب، عرفان اور لقاء کا حصول ہے۔

2۔ بزرگان عظام اور اولیائے کرام کی کرامات برحق اور انکی دعاؤں کی مقبولیت مسلم لیکن ہم مشکل کشاء اور حاجت رواصرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو مانتے ہیں۔

3۔ موجودہ دور کی مصروف زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے مختصر اور سہل اوراد و اذکار تلقین کیئے جاتے ہیں۔

4۔ ہمارے سلسلہ میں مجاہدہ کیلیئے غصہ اور نفرت کو مکمل طور پر نفی کرنے اور عالمگیر محبت اور صداقت کو اختیار کرنے کی مشق کروائی جاتی ہے۔ یہ تربیت گھر کی چار دیواری کے اندر احسن طریقے سے ہوسکتی ہے۔

5۔ بانی سلسلہ توحیدیہ کے وصیت نامہ کے مطابق سلسلہ توحیدیہ کے روحانی پیشوا کا منصب ہمیشہ ہمیشہ کیلیئے غیر وارثتی ہوگا۔

6۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم مذہبی گروہ بندیوں اور فرقہ واریت سے بالاتر اور وسعت قلب و نظر کی مظہر ہے۔

7۔ ہمارے سلسلہ میں مریدوں کی تعداد بڑھانے کیلیئے اندھا دھند بیعت نہیں کیا جاتا ہر شخص کو بیعت کرنے سے پہلے کم از کم چھ ماہ طالب رکھا جاتا ہے تاکہ وہ جماعت کے مقاصد سے اچھی طرح آگاہ ہو کر داخل سلسلہ ہو۔

8۔ سلسلہ توحیدیہ میں متوازی زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ جس میں نہ تو دنیا کو ترک کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی اِس میں غرق ہو جانے کی۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔
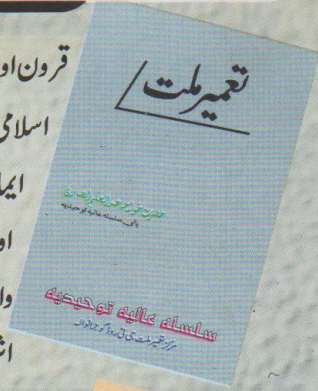
کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
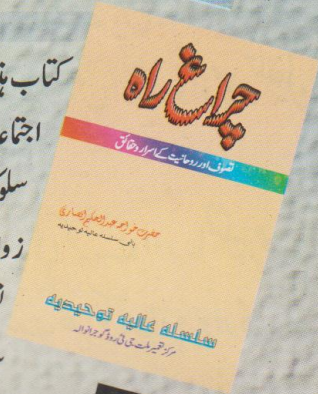
یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد و اذکار اور اعمال و اشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:-
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔